بسم اللہ الرحمن الرحیم

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط ﴿۲:۱۸۷﴾

وہ لباس ہیں تمہاری اور تم لباس ہو اُن کے (معارف القرآن)

دُخترِ مِلّت

مؤلفہ

شمس شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہتاب طریقت سہروردیہ امام السالکین، وارث ختم المرسلین،

عالمِ فروغ واصول، فاضلِ معقول ومنقول، واقفِ اسرارِ خفی وجلی

شیخ الاسلام حضرت ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

کاش! کوئی ایک والدین، بہن بیٹی۔۔یا۔۔ملت کا ایک نوجوان بھی

اس کتاب سے مستفید ہو جائے تو ہماری محنت وصول ہو جائے گی

گلوبل اسلامک مشن انک

نیویارک، یو ایس اے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴿۲:۱۸۷﴾

وہ لباس ہیں تمہاری اور تم لباس ہو اُن کے (معارف القرآن)

دُخترِ ملّت

مؤلفہ

شمسِ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہتاب طریقت سہروردیہ امام السالکین، وارث ختم المرسلین،

عالمِ فروغ واصول، فاضلِ معقول ومنقول، واقفِ اسرارِ خفی وجلی

شیخ الاسلام حضرت ابوالفیض سیّد قلندر علی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

کاش! کوئی ایک والدین، بہن بیٹی۔۔۔یا۔۔۔ملت کا ایک نوجوان بھی

اس کتاب سے مستفید ہو جائے تو ہماری محنت وصول ہو جائے گی

گلوبل اسلامک مشن اٹک

نیویارک، یو ایس اے

نام کتاب: دُخترِ ملت

مصنف: حضرت ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ

کمپوزنگ: الناصر پبلی کیشنز و مکتبہ نعیمیہ، کراچی، پاکستان (0300-208-0345)

تزئین و آرائش: غزالہ احمد (نیویارک، یو ایس اے)

ناشرِ اوّل: مرکزی مجلس سہروردیہ (رجسٹرڈ) لاہور، پاکستان

ناشر: گلوبل اسلامک مشن، انک (نیویارک، یو ایس اے)

طباعت: فروری ۲۰۱۹ء تعداد: دس ۱۰ ہزار

ملنے کے پتے

۱-- آستانۂ عالیہ سہروردیہ (قبلہ باباجی میاں غلام محمد سہروردی رحمۃ اللہ علیہ)
حیات گڑھ شریف، جلال پور جٹاں، گجرات، پاکستان
صاحبزادہ میاں اعجاز احمد سہروردی
0300-621-5130

۲-- دربارِ عالیہ سہروردیہ سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہ
ملتان روڈ، ہنجروال، لاہور، پاکستان
سید کاشف رسول سہروردی
0300-940-5720

۳-- خانقاہِ عالیہ سہروردیہ | مدرسہ شہاب العلوم سہروردیہ
دربارِ عالیہ حضرت پیر عبدالرحمٰن سہروردی رحمۃ اللہ علیہ
مکرانی پاڑہ، (احمد نگر) آٹو بھان روڈ، حیدرآباد، سندھ، پاکستان
عبدالرزاق سہروردی
0315-031-4900
0343-523-7887
انصار بیگ سہروردی
0332-269-2719

۴-- جامعہ غوثیہ اسلامیہ: شاہ فیصل کالونی، کراچی، پاکستان
+92 (0)346-298-5267

۵-- **MA MISSION Learning Centre**
365 Halliwell Rd. (opp. Lloyds Bank) | Bolton, BL1 8DE
UK | 07448 965 871 | info@ma-mission.co.uk

۶-- **SUFFAH FOUNDATION**
P.O. BOX 1625 HUDDERSFIELD, HD1 9QW | UK
www.suffahfoundation.com | info@suffahfoundation.com

۷-- **GLOBAL ISLAMIC MISSION, INC.**
73 HI VIEW DRIVE, WINDALE, NY 12594 | USA
+1-914-319-3839 | mmahmed92@gmail.com

۸-- انجمن سہروردیہ شیخ عبداللہ شاہ غازی سہروردی۔ ۵۲۷ پرنس سینٹر، پریڈی اسٹریٹ، کراچی

محمد وسیم سہروردی 0321-929-4611
محمد ادریس سہروردی 0300-929-3114
محمد سہیل سہروردی 0321-266-0099

﴿فہرست﴾

فہرست

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلامِ الٰہی۔۔۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۳:۱۱۰)

تم اُن ساری امتوں میں بہتر ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر ہوئیں

کہ بھلائی کا تو تم حکم دو اور بُرائی سے روکو (معارف القرآن)

۔۔۔ کے تحت امتِ مسلمہ کے ہر باصلاحیت فرد پر یہ ضروری ہو گیا کہ نیکی کا حکم دیں، اس کا پرچار کریں اور اپنے دائرۂ عمل و اختیار میں رہتے ہوئے لوگوں کو بُرائیوں سے روکیں۔ جب سے امت نے اپنی اس خصوصیت کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے اس فریضۂ دینی کی اَدائیگی میں کمزوری دکھانی شروع کی اور نہ صرف یہ کہ دوسروں میں تبلیغ واصلاح کے پہلو سے نظریں چرائیں بلکہ خود بھی نیکیوں سے دُور اور بُرائیوں سے قریب ہوتے چلے گئے، تو زمانے میں ہم اپنا مقام اور شان وشوکت کھوتے چلے گئے اور آج جو حال ہے سب پر عیاں ہے۔ اجتماعی طور پر ہمارا واپس آنا تو بظاہر مشکل نظر آرہا ہے کیونکہ 'گھن' تو تقریباً ساری ہی لکڑی کو چاٹ چکا ہے، البتہ انفرادی طور پر اگر کوئی چاہے تو حکمِ الٰہی۔۔۔ قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ اپنے آپ کو اور اپنے اہلِ خانہ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔۔۔ کے تحت اپنا اپنا فریضۂ دینی اَدا کرے تو کام آسان ہو سکتا ہے۔ اب اگر گھر کا چراغ خود ہی گھر کو آگ لگانے کے دَرپے ہو تو کوئی کیا کرسکتا ہے۔

زیرِنظر کتاب پر کسی قسم کے تبصرے کی ضرورت تو ہم محسوس نہیں کرتے اور نہ ہی ہم اس قابل ہیں کہ ایک ایسے عظیم الشان بزرگ اور عالم باعمل و صوفی باصفا کی تحریر پر کوئی روشنی ڈال سکیں کیونکہ کتاب کا ہر لفظ تو خود ہی اسلامی پیغامات و نصیحتوں سے اتنا روشن ہے کہ حق اور باطل کی تمیز اظہر من الشّمس ہو گئی ہے، البتہ ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ جب یہی الفاظ دِل میں امت کا دَرد رکھتے ہوئے اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق تبلیغ واصلاح کا فریضہ اَدا کرنے کے لیے کسی ولی اللہ کی زبان مبارک سے اَدا ہوتے ہیں یا قلم گوہر بار سے صفحۂ قرطاس پر ضبطِ تحریر میں آتے ہیں تو سیدھے دِل میں اُتر جاتے ہیں اور نورانی و روحانی فیوض و برکات کا دریا جاری وساری ہو جاتا ہے اور قارئین کو دُرِ بے بہا اپنے دامن میں سمیٹنے کا موقع مل جاتا ہے۔

صرف اُسی فیض کو اپنے خالی دامن میں سمیٹنے کے لیے اِس گرانقدر تحریر کو شائع کر کے اور اپنی بہن بیٹیوں، اُن کے والدین اور ملت کے نوجوان مردوں، جو کل خود اپنی بہنوں کے سرپرست اور بیٹیوں

کے باپ بننے جا رہے ہیں، تحفتہً پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں تا کہ ہمارے ٹی وی چینلز ۔۔۔ اپنے پروگراموں، ڈراموں، تقسیمِ ایوارڈز کے اسٹیجوں پر برہنہ و نیم برہنہ اَداکاراؤں اور داڑھی کی سینکڑوں قسم کی غیر سنت ہیئتوں والے مردنما مخنث اَداکاروں کو پیش کر کے ۔۔۔ ہمارے معاشرے میں جو تباہ کن زہر گھول رہے ہیں اُس کا کچھ تو تریاق مہیا کیا جا سکے۔

۔۔علاوہ ازیں۔۔ فیشن ایبل مستورات جو رمضان و غیر رمضان میں مذہبی پروگرامز کا حصہ ہوتی ہیں، وہ فیشن ڈیزائنرز جو نت نئے لباسوں کا ماڈل گرلز کے ذریعے پرچار کر کے اور نسوانیت کو کیش کرا کے نہ صرف یہ کہ اپنے نوٹ کھرے کرتے ہیں بلکہ اپنے تئیں زمانے کو ماڈرن بنانے پر فخر بھی محسوس کرتے ہیں حالانکہ جہنم رسید کر رہے ہوتے ہیں، وہ والدین جو اپنی بیٹیوں کو اور وہ شوہر جو اپنی ہونے والی ۔۔یا۔۔ نئی نویلی بیویوں کو رخصتی اور ولیموں اور دوسری رسوماتِ باطلہ کے لیے تیار ہونے بیوٹی پارلرز بھیجتے ہیں جہاں نوجوان لونڈے اور مرد حضرات اُن کا میک اَپ اور بناؤ سنگھار کرتے ہیں ۔۔۔ شاید اُن کا کچھ توڑ ہو سکے۔ حیرت و تعجب کی بات ہے کہ مسلمانوں کی غیرتِ ایمانی کہاں تک مضمحل بلکہ مر چکی ہے اور شرم و حیاء کا پردہ اس طرح چاک ہو چکا ہے کہ شاید بڑے سے بڑا رفو گر بھی اس کی مرمت نہیں کر سکتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ 'نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے'، مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ طوطی کو بہر حال بولتے رہنا ہے کیونکہ کلامِ الٰہی کے مطابق ۔۔۔ بولتے رہنا کام آتا ہے ۔۔۔ کاش کہ کوئی ایک بہن بیٹی، ایک والدین ۔۔یا۔۔ ایک نوجوان ہی اس کتاب سے استفادہ کر لے تو ہم سمجھیں گے ہماری محنت وصول ہو گئی، ورنہ رب تبارک و تعالیٰ تو کسی کی محنت ضائع نہیں فرماتا۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الا اللہ

مصنف محترم مجددِ سلسلۂ سہروردیہ، شیخ الاسلام والمسلمین، شیخ طریقت، رہبر شریعت حضرت ابو الفیض سید قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ جنہوں نے نہایت محققانہ، حکیمانہ، شفیقانہ اور ناصحانہ انداز میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں دخترانِ ملت کے حقوق و فرائض اور دین اسلام میں ان کا مقام و کردار قلمبند فرمایا ہے اور چند صفحات میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے، یہ ایسے ہی بزرگوں کا حصہ ہے جن کو علمِ ظاہر و باطن سے حصہ وافر عطا ہوا ہو، جو شریعت کے علمبردار، طریقت کے شاہسوار، حقیقت کے رازدار، سنتِ نبوی ﷺ کے پاسدار، امت مصطفیٰ ﷺ کے وفادار، حق گوئی میں گرجدار اور قلندری سے مالدار ہوں۔ آپ کی یہ تحریر اپنی ہر تصنیف کی طرح حق گوئی و بے باکی کی منہ بولتی تصویر ہے۔۔۔

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی (بال جبریل: اقبال)

۔۔۔آپ نے حکمت وشفقت سے قارئین کی توجہ اسلام کے پیغام حق کی طرف مبذول کرائی ہے اور باور کرایا ہے کہ ہمارا اور ہمارے معاشرے کا نقشہ اسلامی کیا ہونا چاہیے اور کیا ہے۔آپ کی تحریر کا ایک ایک لفظ دِل میں اُتر جاتا ہے اور ضمیر کو جھنجھوڑتا ہوا، جسم وروح کو بیدار کرکے، قاری کو شریعت مصطفویہ ﷺ پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار کردیتا ہے۔

مصنفِ کتاب ھٰذا، ہمارے دادا پیر حضرت ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ ۱۸۹۵ء میں کوٹلی لوہاراں، ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔آپ کا سلسلۂ نسب ۲۳ واسطوں سے قطبِ ربانی غوث صمدانی محی الدین حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے،اور سلسلۂ نسبت ۱۹ واسطوں سے عارف ربانی، حجت الفقر فخری، شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔مدرسۂ نعمانیہ، لاہور سے تعلیم مکمل فرمائی اور بریلی شریف ہجرت فرما کر امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کی خدمت سے ڈھائی برس فیض یاب ہوئے۔وطن مالوف لوٹ کر سلطان العارفین، قطب عالم، خواجۂ خواجگان سہروردیہ، عالم اکمل واجمل حضرت میاں غلام محمد سہروردی قدس سرہٗ (حیات گڑھ، جلال پور جٹاں، ضلع گجرات) کے سلسلۂ ارادت میں داخل ہوگئے اور سلسلۂ عالیہ سہروردیہ کی تجدید واحیاء کا فریضہ انجام دیتے ہوئے بے شمار نفوس کو راہِ راست پر لگایا اور اَن گنت چراغ ہائے طریقت کو روشن فرما کر سلسلۂ سہروردیہ کو بامِ عروج پر پہنچا دیا۔آپ نے لاہور میں حضرت شاہ ابوالمعالی قادری قدس سرہٗ کے روضۂ اقدس سے متصل جامع مسجد میں خطابت کا فریضہ بھی انجام دیا جہاں سے آپ کو بارگاہِ اقدس شاہ ابوالمعالی سے 'قلندر رسول نما' کا خطاب ملا۔آپ کی مشہور تصنیفات میں الفقر فخری، سیاح لامکاں، جمال الٰہی، جمال رسول، صحیفۂ غوثیہ، موعظۃ للمتقین اور کئی رسائل ومقالات بھی شامل ہیں۔آپ کا وصال ۶۳ برس کی عمر مبارک میں ۲۷ صفر المظفر بمطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۵۸ء میں ہوا۔آپ کا مزار اقدس ہنجر وال، ملتان روڈ، لاہور میں واقع ہے۔(از سید اویس علی سہروردی)۔

کتابِ ھٰذا اِس سے پہلے ۱۹۵۱ء میں مرکزی مجلس سہروردیہ کے زیر اہتمام امام انقلاب نعت لسان حسان رضی اللہ عنہ حضرت علامہ سید محمد ریاض الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی شائع ہوئی۔بعدازآں یکے بعد دیگرے سجادہ نشین جناب صاحبزادہ سید محمد شاہد رسول سہروردی صاحب مدظلہ العالی کی زیر صدارت اور پھر سید کاشف رسول سہروردی صاحب مدظلہ العالی کی کوششوں سے شائع ہوکر منظر عام پر آئی اور اب ہم اُسی اشاعت سے اَز سرِ نو کمپوز کرواکر، اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دیگر قارئین میں تحفۃً تقسیم کرنے کی غرض سے گلوبل اسلامک مشن (نیویارک، یو ایس اے) سے شائع کرنے کی سعادت حاصل کررہے

ہیں۔اللہ ﷻ ہماری اِس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے۔

سب سے پہلے تو ہم اِس خدمت کی توفیق رفیق مرحمت فرمانے پر اللہ تعالیٰ کے بے حد شکر گزار ہیں اور شکرانے کے طور پر اللہ رب العزت سے درخواست گزار ہیں کہ وہ اپنے حبیب پاک ﷺ کی بارگاہ اقدس میں اپنی شان کے مطابق بے شمار درود وسلام نازل فرمائے۔سلسلۂ عالیہ سہروردیہ کے تمامی بزرگان دین، خاص طور پر حضرت میاں غلام محمد سہروردی، حضرت ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی، چودھری محمد اقبال حمید سہروردی اور حضرت پیر عبدالرحمٰن خان سہروردی رحمۃ اللہ علیہم کے درجات بلند فرمائے اور ہم سب کو فیضان سہروردیہ سے مالامال فرمائے۔

۔۔مزید برآں۔۔ہم شکر گزار ہیں میاں اعجاز احمد سہروردی صاحب (گجرات، پاکستان)، سید کاشف رسول سہروردی صاحب (منجر وال، لاہور)، محمد وسیم سہروردی، محمد ادریس سہروردی، محمد سہیل سہروردی، مسرور علی قریشی، سید ریاض علی، سلیم الدین، اعجاز احمد، وسیم احمد، ہمشیرہ غزالہ احمد، اقبال احمد، اور اپنی اہلیہ رخسانہ احمد کے۔اِن تمام اصحاب واحباب نے کتاب ہم تک پہنچانے، اِس کی تزئین وآرائش وطباعت اور مختلف مراحل میں ہماری مدد فرمائی۔اللہ تعالیٰ تمامی احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔(آمین)

'پیش لفظ' تحریر فرمانے پر ہم ڈاکٹر نسرین اسلم شاہ صاحبہ (جامعہ کراچی) کے بے حد شکر گزار ہیں جنہوں نے دختران ملت کے لیے کتاب ھٰذا کے مطالعہ کے شوق کو دوچند کرنے کے لیے ہمیں اپنی تحریر بر وقت عنایت فرمائی۔اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔پروفیسر دلاور خان صاحب بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جن کی وساطت سے ہم ڈاکٹر صاحبہ اور دیگر مقتدر شخصیات تک پہنچے۔پروفیسر صاحب خود بھی خدمت دین وملت میں کوشاں رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر میدان میں ان کی مدد فرمائے۔

آخیر میں ہم دُعا گو ہیں کہ اللہ ﷻ اپنے حبیب پاک ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے ہم سب کو دین متین ومسلک حقہ کی بیش اَز بیش خدمت کرنے کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم وآلہٖ وصحابہٖ اجمعین

احقر محمد مسعود احمد سہروردی اشرفی

چیئرمین: گلوبل اسلامک مشن (نیویارک، یو ایس اے)

یکم جنوری ۲۰۱۹ء

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''عورتوں کی حقیقت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے اُسے تعلیم سے دُور رکھا جاتا ہے جس کی وجہ سے ہمارا معاشرہ انحطاط کا شکار ہے''۔

عورت کی عظمت و عفت کو پامال کرتے ہوئے مغربی معاشرہ تہذیب و تمدن سے آزاد ہو کر تمام اخلاقی حدود کو پار کرتے ہوئے آزادی کے نام پر انسانیت کو دفن کرنے میں مصروف ہے۔ اِسی سوچ کے تحت مغربی معاشرہ اسلامی اقدار سے اختلاف رکھتے ہوئے اس پر معترض نظر آتا ہے کہ اسلام میں عورت کے لیے بہت سختیاں ہیں جو کہ اُن کے نسوانی حقوق کی پامالی بنتی ہیں۔

اس مغربی نقطۂ نظر کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام وہ واحد مذہب ہے کہ جس نے عورت کی عظمت کو پہچانتے ہوئے اسے پسماندگی سے نکال کر معاشرے کے اعلیٰ درجات پر فائز کیا یعنی عورت کو قابلِ احترام تصور کیا اور اس حقیقت کو تسلیم کروایا جبکہ دیگر مذاہب میں عورت کا تصور ایک دھتکاری ہوئی اور گناہوں میں گھری ہوئی مخلوق کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جس کا معاشرے میں کوئی فعال کردار نہیں ہوسکتا۔ صرف اسلام میں ہی عورت کے درجات بلند ہیں اور یہ سارے حقائق تاریخ کے مطالعے سے منظر عام پر آئے ہیں جو ہندو مت، عیسائیت، یہودیت اور عرب کے دَورِ جہالت کی عکاسی کرتے ہیں۔

اسلام دینِ فطرت ہے لہٰذا مرد اور عورت دونوں کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے معاشرے کی فلاح کا راز باہمی اشتراک میں مضمر ہے کیونکہ دونوں نسلِ انسانی اور تہذیب و تمدن کی ترقی میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں لہٰذا مذہب کو انسانی خواہشات کی بنیاد پر نہیں پرکھا جاسکتا کیونکہ اس طرح کے رویے معاشرے میں بے اطمینانی اور بے سکونی بڑھاتے ہیں۔ اس بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے اسلام نے عورت کو مقدم جانا تاکہ معاشرتی خلفشار جنم نہ لے سکے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ حقوق کے نام پر حدود سے تجاوز کیا جائے ورنہ اس کا خمیازہ معاشرتی بگاڑ کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے۔ اسلام نے عورت کو ہر رشتے اور ہر روپ میں اہم قرار دیا ہے۔ چاہے وہ ماں ہو، بیٹی ہو، بہن ہو۔۔۔یا۔۔۔بیوی، اسلام نے عورت کو ایک متوازن معاشرے کے معمار کے طور پر متعارف کروایا ہے۔

مغربی معاشرہ مسلمان عورت کے حجاب اور پردے پر بے شمار سوالات اُٹھاتا ہے اور اُسے عورت

کے حقوق کی پامالی تصور کرتا ہے۔ جبکہ یہ مغربی تصور انتہائی غیر فطری ہے کیونکہ اسلام عین دین فطرت ہے لہٰذا کوئی بھی اسلامی احکام فطرت سے ہٹ نہیں ہوسکتا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حجاب عورت کو تحفظ فراہم کرتا ہے تاکہ وہ بدنظروں سے محفوظ رہ سکے اور اس میں میانہ روی اور استقلال پیدا ہوسکے۔

پردے کی ابتداء ۵ھ میں ہوئی جب حضور پاک ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے عقد کیا۔ قرآن میں یہ واضح احکام ہیں کہ عورتیں اپنے سینے اور سر کو چادر سے ڈھانپ کے رکھیں لیکن اس سے پہلے مردوں کے لیے حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں تاکہ دِل میں کوئی بُرا خیال پیدا نہ ہو اور عورت کی تعظیم برقرار رہے۔ عورتوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی زیب وزینت پوشیدہ رکھیں اور اپنے مقام کو پہچانیں۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی بے پناہ صلاحیتوں سے مالا مال کیا ہے یعنی اللہ کی قائم کردہ حدود میں رہ کر ہر جائز کام کرنے کی روادار ہیں۔ مسلمان عورت کے لیے افضل ہے کہ وہ بے وجہ گھر سے باہر نہ نکلے حتیٰ کہ نماز کے لیے بھی مسجدوں میں جانا پسندیدہ قرار نہیں دیا گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ عورتوں کا مسجد میں جانا پسند نہیں فرماتی تھیں اور اس بات کو حضور اکرم ﷺ نے بھی پسند فرمایا یعنی عورتوں کا گھر میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ عورت کو گھر میں محفوظ رکھنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ مردوں کے اخلاق خراب ہیں بلکہ انہیں اجنبی نگاہوں سے محفوظ رکھنا مقصود ہے۔

زیرِ نظر تصنیف مغربی نقطۂ نظر کے جواب میں اسلامی احکامات کی وضاحت کرتے ہوئے اسلامی اقدار اور معاشرے کی خوبصورتی کو بیان کرتی ہے اور اس تصنیف میں اسلام میں عورت کے مقام اور اہمیت کا احاطہ بھی کیا گیا ہے تاکہ قارئین اسلام کی اصل روح کو سمجھ سکیں، خاص طور پر عورتیں اور لڑکیاں اپنی حیثیت کو پہچانیں تاکہ کوئی بھی ان کے حقوق پامال نہ کرسکے اور اس کے ساتھ ساتھ مغربی نقطۂ نظر کی بھی نفی ہوسکے۔

اسلام وہ واحد دین ہے جس کا دائرۂ کار محدود نہیں ہے، یعنی اس کا مزاج بین الانسانی اور عالمگیریت پر مبنی ہے۔ اسلام میں خاندان کا تصور پیش کیا گیا ہے اور شادی کو بہت اہمیت حاصل ہے اور یہ حضور اکرم ﷺ کی سنت تصور کی جاتی ہے جس کی پیروی کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر لازم ہے کیونکہ نکاح کو نصف دین تصور کیا گیا ہے۔ شادی کے بندھن کو اہمیت نہ دینا اور رشتوں کا احترام نہ کرنا موجودہ معاشرے خاص طور پر مغربی معاشرے کے انحطاط کی بنیادی وجہ ہے۔ عقد کرنا سنت ہے اور یہ مسلمان کو بہت سی معاشرتی اور اخلاقی بُرائیوں سے بھی روکتا ہے۔ یہی تصور تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ اسلام میں شادی کا تصور بہت سادگی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے یعنی اسراف اور دکھاوے کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا

ہے۔ اسلام میں شادی کی شرائط کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یعنی حق مہر کی اَدائیگی اور دیگر حقوق کو پورا کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔

موجودہ دَور میں ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان عورتیں اپنی عظمت اور صلاحیتوں کو پہچانتے ہوئے اپنا وقار بلند کریں کیونکہ مسلمان عورت کا پاکیزہ کردار اور اخلاق اس کی پہچان ہے نہ کہ مغربی معاشرے کی اندھی تقلید۔ معاشرے کے ذمہ داران کو اپنی ذمہ داری کا ادراک ہونا چاہیے اور اپنی گھر کی خواتین اور بیٹیوں کی تربیت اس طرح کریں کہ وہ آنے والی نسلوں کو اسلامی بنیاد پر پروان چڑھا سکیں اور بہتر معاشرے کی تخلیق کرسکیں۔ مغرب کے جھانسے میں آنے کے بجائے اپنی عصمت اور عفت، شرم وحیاء اور خانہ داری کو اسلامی روایات اور احکامات کی روشنی میں ڈھالیں تاکہ نظم وضبط قائم رکھ سکیں اور مغربی تہذیب کے لیے مثال بن سکیں۔

ڈاکٹر نسرین اسلم شاہ
یٹوریس پروفیسر، شعبہ سماجی بہبود و ڈائریکٹر،
سینٹر آف ایکسیلینس فار ویمنز اسٹڈیز، جامعہ کراچی
موبائل: 0300-212-4055

بسم الله الرحمن الرحيم

١٤٢٠

VISIT/SUSCRIBE OUR

CHANNEL AT:

Real Message
of Islam

اسلام پر اسلام سے ناواقف عورت کے اعتراضات

عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ جتنا ضروری تھا، اتنا ہی بے شعور معلمین نے اِس کو نازک اور مخدوش بنا دیا ہے۔ جس تعلیم سے انسانیت کا دروازہ کھلتا ہے وہ متروک ہوگئی اور نئے نصابِ تعلیم نے ایک روشن دماغ، ہونہار اور قابلِ ترقی صنف کو محض ایک مزین کھلونا بنا کر رکھ دیا۔ جذبات کی دُنیا میں بہنے والے انسان اور ننگ دھڑنگ رہ کر فطرت کو سراہنے والے حیوانِ ناطق نے عورت کی حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے یہ فتویٰ دیا کہ عورت مستور ہونے کے قابل ہی نہیں، اور یہ نہ سوچا کہ ہماری معدوم ستر پوشی انسانیت کو دفن کرنے کے لیے آزادی اور آزاد خیالی کا کون سا ویرانہ تیار کر رہی ہے جہاں ہماری غیر نظری بے راہ روی کو ٹھکانہ ملے گا۔ یہ تہذیب کا کون سا گہرا گڑھا کھودا جا رہا ہے جہاں ہماری بیہودگی آنے والی نسلوں کی غیر فانی عصمت کو دفن کر دے گی۔ انسانی عظمت کی تمام بلندیوں کو مسمار کر کے زمین ایسی ہموار کر دی جائے کہ حیوانِ حقیقی اور حیوانِ غیر حقیقی میں کوئی فرق نہ رہے۔ نسوانی جوہر برباد کر دیے جائیں اور عورت کو ایک ایسے غیر فطری چوراہے میں لا کر کھڑا کر دیا جائے جہاں اُس کو ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق عمل میں لا سکے۔ یہ ہے وہ نئی روشنی کا مینار جس پر پرانے سے پرانے اندھیرے کو بھی شرف حاصل ہوسکتا ہے۔

آج سے پہلے جو عورت پردہ وحجاب کو اپنی عصمت وعفت کا بیش بہا زیور سمجھتی تھی وہ مغربی، مذہبی، قومی، ہر تہذیب سے آزاد ہو کر اپنے برہنہ شباب وعریاں حسن کے مظاہرہ کے لیے غیرت وحجاب کی تمام بندشوں کو توڑ کر سینماؤں، تھیٹروں، باغوں، تالابوں، دریاؤں، چوکوں، کلفٹوں میں مردوں کے جذبات کو مشتعل اور نگاہوں کو روند کر اپنی ترقیِ شباب کی امنگوں کو منظرِ عام پر لانے کی سعی میں مصروف ہے اور معترض ہو رہی ہے کہ:

(۱)۔۔۔ مذہبِ اسلام عورتوں کے حق میں بہت سخت ہے۔

(۲)۔۔۔ اسلام نے عورتوں کے جذبات، خیالات اور احساسات کا کوئی خیال ہی نہیں رکھا۔

(۳)۔۔۔ اسلام نے عورتوں کے نسوانی مطالبات کو نظر انداز کر کے ایسے قیود پیش کیے ہیں جو ناقابلِ برداشت ہیں۔

(۴)۔۔۔ موجودہ ترقی یافتہ دَور میں عورتوں کو مردوں کے پیچھے رکھنا اور مکان کی چار دیواری میں پابند آئین بنانا ایک معصوم عورت پر صریح ظلم ہے۔

(۵)۔۔۔چونکہ اسلام عورتوں کو مردوں کا محتاج بناتا ہے اور عورت کو حقیر نظر سے دیکھتا ہے، اس لیے عورتیں مستحق ہیں کہ اپنی آزادی کے لیے صدائے احتجاج بلند کریں اور اسلام کی قیود سے آزاد ہو کر یورپ کے پیش کردہ اصولوں پر چلیں تاکہ معمورہ دُنیا میں فلاح پاسکیں۔

اِن اعتراضات کا جواب تو ہم آگے چل کر دیں گے، یہاں صرف یہ قابل دریافت امر ہے کہ کیا واقعی اسلام عورتوں کے حق میں سخت اور غیر منصف ہے؟ کیا اسلام کی قیود واقعی ایسی ہیں کہ اُن کو توڑ کر پھینک دیا جائے اور کیا آئینِ اسلام میں عورت کے ساتھ نہایت بے انصافی کا برتاؤ کیا گیا ہے؟ اِس کا ایک ہی جواب ہے۔۔۔ کہ ہرگز نہیں۔ یہ اعتراض اُس عورت کا ہے جو مذہب کے معاملے میں قطعی ناواقف اور اُس نابالغ بچی کی طرح ہے جو کسی ٹھگ کی چار ریوڑیاں لے کر اپنا قیمتی زیور اُتروا آتی ہے۔

اگر اُس کو اپنی حقیقت کا خیال واحساس ہوتا تو ایسا نہ کہتی، کیونکہ اسلام عورتوں کے حق میں ایک پیغامِ رحمت ہے۔ جس نے عربوں کی زندہ دَرگور لڑکیوں کو زندگی بخشی، جس نے یہودیوں کی ٹھکرائی ہوئی خواتین کو اپنی آغوشِ محبت میں جگہ دی، جس نے مجوس کے عذاب سے اس کو نجات دلائی، جس نے عیسائی کی وحشت کاریوں سے اس کو پناہ میں لیا، جس نے ہندو کی مظلوم اور منوشاستر کی دھتکاری ہوئی عورت کو عزت بخشی اور ستی کی ظالمانہ رسم سے، بچا کر آگ میں کودنے سے روکتے ہوئے وراثت کا حقدار بنا دیا۔

دُنیا کی مختلف اقوام کی تاریخ شاہد ہے کہ عہدِ عتیق (پرانا زمانہ، زمانہ قبل اَز تاریخ) کی عورتیں کس کسمپرسی اور بدحالی میں مبتلا تھیں۔ یہ صرف اسلام ہی تھا جس نے اس کا درجہ بلند کیا، عزت بخشی، اور اس کے چہرے کا وہ آب ورنگ جس کو حریص انسانوں کے وحشیانہ حملوں نے لُوٹ لیا تھا، دوبارہ واپس دلایا۔ اسلام ہی نے اس کو جنسِ اشرف میں شمار کرایا اور اُس نے اس کی فریادرسی کی، حقوق منوائے اور ہر قسم کی معاشرتی، خانگی اور سماجی مراعات کا مستحق ٹھہرا دیا۔ اگر باور نہ ہو تو آوَاِس تفصیل کے لیے بعض تاریخوں کا مطالعہ کریں تاکہ حق آشکارا ہو جائے۔

تواریخ کی روشنی، تاریخِ عرب:

اہل عرب عورتوں کے وجود سے صرف متنفر ہی نہ تھے بلکہ یہاں تک اس کے حقیقی مخالف تھے کہ جہاں اس پودے نے جنم لیا، فوراً اس کو مسل دیا۔ اُن کی قومی عزت اور خاندانی حمیت یہ گوارا ہی نہیں کرتی تھی کہ ان کے گھر میں کوئی بچی پیدا ہو کر زندہ رہ سکے۔ اگر ماں کی ممتا کسی بچی کو کچھ وقت کے لیے باپ کی نظر سے اوجھل کر کے اپنی تمنائیں پوری بھی کر لیتی تو باپ کو جب اس کا علم ہوتا، وہ فوراً اس معصومہ کو اُٹھاتا اور کسی دُوردَراز جنگل میں لے جا کر زندہ ہی پیوندِ خاک کر دیتا تاکہ قومی طعنہ زنی سے محفوظ رہ سکے۔

چنانچہ ایک صحیح حدیث ہے کہ ایک جلیل القدر صحابی سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے زار و قطار رونے لگے، آنسوؤں سے ریش مبارک تر ہوگئی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے دیکھا تو رونے کا سبب دریافت فرمایا، تو انہوں نے اپنے ایامِ جاہلیت کا ایک المناک واقعہ یوں عرض کیا کہ مجھے خداوندِ عالم نے ایک مرتبہ ایک بچی دی جس کو اُس کی ماں نے عرصہ تک زندہ درگور کردینے کے خوف سے مجھ سے چھپائے رکھا، لیکن ایک دن اتفاق سے میں نے اُس کو دیکھ لیا تو شفقتِ پدری جوش میں آگئی اور میرا دِل اُس سے مانوس ہوگیا اور وہ بھی مجھ سے بے حد پیار کرتی تھی، مگر وہ جوں جوں جوانی کی طرف آتی جاتی تھی، میرے دِل کی دھڑکن بڑھتی جاتی تھی کہ اگر جوان ہوگئی اور قبیلہ میں اس کی خبر پہنچی تو کیا ہوگا۔ میں نے قلب کو مضبوط کیا اور بچی کو گود میں لے کر بیابانِ مرگ کی جانب چل کھڑا ہوا۔ راستہ میں معصوم بچی مجھ سے بار بار یہ سوال کرتی جاتی تھی کہ ابا جان! آپ مجھے کہاں لیے جارہے ہیں؟ اُس وقت میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور میں خاموش دِل کی دھڑکنوں کو سنبھالے ہوئے منزلِ مقصود کی جانب بڑھ رہا تھا حتیٰ کہ ایک قبرستان میں پہنچ گیا اور اُس بے گناہ بچی کے لیے قبر کھودنی شروع کردی۔ ننھی بچی میرے پاس بیٹھی تھی، جیسے جیسے قبر کی مٹی ہمارے کپڑوں پر لگتی، اُس کو جھاڑتی جاتی اور کہتی جاتی۔۔۔ یا ابت امتبک تراب، ابا جان! آپ کے مٹی لگ رہی ہے۔۔۔ صحابی فرماتے ہیں کہ قبر تیار ہوگئی اور میں نے ننھی بے گناہ بچی کو قبر میں اُتارنا چاہا، بچی چیخ کر رونے لگی اور کہنے لگی۔۔۔ یا ابت ما ذا تفعل۔ ابا جان! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔۔۔ مگر میں نے اُس کی ایک نہ سنی اور نہ جہالت نے میرا ساتھ چھوڑا۔ میں بچی کو گڑھے میں ڈال کر فوراً اُس پر بڑے بڑے مٹی کے تودے ڈالنے لگا، بچی انتہائی مصیبت میں رو رو کر ماں کو پکار رہی تھی اور میں بے دردانہ طور پر جلد جلد اُس کو تہ خاک کرنے میں مصروف تھا۔ آخر میں نے اُس کو زندہ دفن کردیا اور گھر واپس چلا آیا۔ کچھ دن دِل میں اُس ظلم کی کریدرہی، مگر پھر آہستہ آہستہ محو ہوگئی۔ مگر اِس وقت حضور کے سامنے وہی منظر میری نظروں کے سامنے آگیا ہے اور اُس کو یاد کرکے رو رہا ہوں، کیا میری بخشش ممکن ہے؟، کیا خداوندِ عالم مجھے معاف فرمادے گا؟۔

حضور ﷺ اِس روح فرسا (روح تباہ کرنے والے، سخت افسوس ناک) واقعہ کو سن کر آبدیدہ ہوگئے اور چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہوگیا۔ پھر بڑی شفقت سے فرمایا۔۔۔ ہاں! اسلام سے پہلے جو کچھ تم نے کیا ہے، رب العزت اُسے معاف فرمادے گا کیونکہ وہ جہالت کا دَور تھا۔

اِس واقعہ کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ دُنیائے عرب کی زندگی کا پتا چل جائے اور معلوم ہوجائے کہ عرب نے عورت کی بے عزتی اور بے قدری کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ماں

بہنوں کے ساتھ بیوی کا برتاؤ کرتے اور اُس پر قصائد لکھ کر فخر کیا جاتا، مائیں بہنیں اور تمام محارم اُن کے ہاں وراثت میں تقسیم ہوتی تھیں اور اُن کو جس طرح چاہتے اپنے تصرف میں رکھتے۔

آنحضرت ﷺ نے اُس ظلم وتعدی سے انسان کو بچانے اور عورت کشی کو روکنے کا عزم بالجزم کرلیا اور عرب کے مردہ احساس کو زندہ کرکے فرمایا۔۔۔اے انسانیت کے دشمنو! بتاؤ کہ ایک بے زبان معصومہ کو تم زندہ درگور کرکے کس انسانیت کا ثبوت دیتے ہو؟ یاد رکھو! ایک ایسا بھی دن آنے والا ہے کہ جب انقلاب کے اوراق اُلٹ جائیں گے۔ خداوند عادل وجبار کا تختِ انصاف بچھ جائے گا، قاتل ومقتول دونوں حاضر لائے جائیں گے، عدالت اُن سے۔۔۔ بِاَیِّ ذَنۡبٍ قُتِلَتۡ (۸۱:۹)۔۔۔ کے معنی پوچھے گی اور مقتول قاتل کا دامن تھام کر یہ سوال کرے گا۔۔۔ کہ آخر کس گناہ کے بدلے تم نے ہم کو زندہ زمین میں گاڑ دیا تھا۔ عرب حضور ﷺ کے اِس ارشاد کو سننے کے بعد دختر کشی سے باز آ گئے اور عورت کی جان میں جان آ گئی۔ یہ تھا اسلام کا اعجاز جس نے عورتوں کی کالعدم زندگی میں روحِ حیات پھونکی اور اس کو ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا۔

تاریخ یہود:

یہود کے نزدیک عورت ایک گندی اور ناپاک ہستی تھی جس کے سایہ سے بھی بچنے کی کوشش کی جاتی، خاص طور پر ایام حیض میں وہ سلوک ہوتا جس پر کتے بلی کو بھی ترجیح ہوسکتی ہے۔ گھر کے کام کاج سے الگ کرکے کسی علیحدہ مکان میں بند کر دیتے اور کسی بانس وغیرہ سے باندکر دُور ہی سے اُس کی کوٹھری میں کھانا پہنچاتے۔ نہ گرمی کا خیال نہ سردی کا احساس۔ گویا یہ ایک وہ شے ہے جس کو سردی گرمی سے واسطہ نہیں، دم گھٹ کر جان دے۔۔۔یا۔۔۔ ٹھٹھر ٹھٹھر کر مرے، اُن کو کوئی سروکار نہیں تھا۔ جسم شل ہو رہا ہے، لقوہ ہو چکا ہے، فالج گر گیا ہے، مگر یہود کا برتاؤ اُس صنفِ نازک سے نہایت بے رحمانہ ہے، حسنِ سلوک کی گنجائش ہی نہیں۔ اسلام نے عورت کو اِس بے ہودگی سے بھی نجات دلائی۔ فرمایا۔۔۔ عورت اس حالت میں اتنی ناپاک نہیں جتنی یہ کوتاہ نظر سمجھ رہے ہیں۔ ایامِ ماہواری میں جو ایک عارضی نجاست ہے، صحبت وہم بستری کے علاوہ عورت کو گھر کے امورات میں پورا پورا دخل ہے، وہ تمام معاملات کو نباہنے کی مستحق ہے۔

تاریخ مجوس:

عورت کی بے حرمتی وبے قدری میں تاریخ مجوس بھی اِسی طرح داغدار ہے جس طرح دُنیا کے دوسرے مدعیوں کی محارم کی تمیز، مدارج ومراتب کا خیال ان میں بھی عنقا تھا۔ عورت صرف ہَوس رانی کا ایک آلہ اور جذبات کو پورا کرنے کا کھلونا تھی۔ ماں، بیٹی، بہن، چچی، پھوپھی سب ایک ہی غرض کا شکار

تھیں۔ کسی کی عصمت کو اپنی نفس پرستی پر قربان کر دینا اور خلافِ امید افعال پر قتل و نہب (لوٹ مار) ایک معمولی سی بات تھی۔ اسلام نے اُس حیوانیت و شہوانیت کو نہایت معیوب بیان فرمایا اور بزرگ رشتوں کی حرمت پر سختی سے توجہ دلائی۔ معصوم متعلقات کی عصمت کو اس گندگی سے بچانے کے لیے آواز اُٹھائی کہ ایسا نہ کرو اس سے ایک غلط معاشرہ بنے گا۔ ناپاک سوسائٹی کی داغ بیل پڑے گی۔

تاریخ ہنود:

ہندو قوم وہ قوم ہے جس کے ساتھ ہمارا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ لہٰذا اس کا تمام کلچر ہمارے سامنے ہے۔ اس کے لیے کسی تاریخ کی گہری ورق گردانی کی ضرورت نہیں۔ ہم جس قدر اس کی تعلیم و عمل سے واقف ہیں، وہ بلا دلیل بیان کیا جا سکتا ہے۔ تاہم کسی قوم کے قول و فعل کی ذمہ داری مذہب پر رکھتے ہوئے اُس کی مذہبی کتب پر نظر ڈالنا ضروری ہو جاتا ہے۔ منوشاستر، وید ستیارتھ پرکاش، رامائن، گیتا، اس مذہب کی مشہور کتابیں ہیں، جن سے پتا چل جائے گا کہ ہندو دھرم میں عورت کی کیا شان ہے اور اس کے مذہبی بانیوں نے عورت کو انسانیت میں کیا درجہ دے رکھا ہے۔ منوشاستر میں عورت کو سانپ اور بچھو سے بدتر ذکر کر کے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ اس قوم میں بھی یہ صنفِ نازک یہود و مجوس کے مقابلہ میں کم ذلیل و خوار نہیں۔ اس قوم میں عورت کی حیثیت ایک پالتو بلی سے بھی بدتر ہے۔ اس قوم کی عورت کے لیے بیوہ ہونا موت سے بدتر تھا۔ اس کا مرنے والا شوہر تو اپنی موت مرتا، مگر عورت کو قومی روایات کے ماتحت اُس کے ساتھ خود بخود مرنا پڑتا تھا۔ اور یہ 'رسمِ ستی' اس کی قربانی --یا-- والہانہ محبت کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ مذہبی اور روایتی تشدد تھا جو طوعاً و کرہاً اُس کو قبول کرنا پڑتا تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ اس ظالمانہ عمل کو ہندو مذہب سے دُور کرنے کی سعی حکومتِ انگلشیہ نے کی اور اس کو ختم کر کے رکھ دیا۔ اگر یہ کوئی خدائی حکم ہوتا تو ہندو قوم اس کے قیام کے لیے مر مٹتی، مگر ایسا نہ ہوا۔

عورتیں اب بھی موجود ہیں اور خاوند اب بھی مرتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ آج کی عورت آج کے مرنے والے خاوند کے ساتھ نہیں مرتی۔ اُس وقت عورت کا کام صرف یہ تھا کہ خاوند کے مرنے کے بعد وہ بھی بھڑکتے ہوئے آتش کدہ میں کود جائے اور بڑوں بوڑھوں کی نافہمی پر اپنے آپ کو جلا دے۔ ہندو قوم میں عورتیں آج تک 'محروم الوراثت' ہیں، ان کو وراثت کا مستحق جاننا ہندو دھرم کے خلاف ہے اور وہ تمام خاندانی مراعات سے بے دخل ہیں۔ وہ ماں باپ کی محبت کے پیشِ نظر (پن دان) صدقہ پا سکتی ہیں لیکن حصہ دار نہیں بن سکتیں۔ علاوہ ازیں ان کی بیوگی، ان کی بے اولادی، ان کا دیوداسی بننا اور ہندو مذہب کے مسئلہ نیوگ دیوی چکر میں پھنسنا ایک وہ مصیبت ہے کہ دُنیا بھر کا کوئی مذہب اپنی آغوش میں لی ہوئی

عورت کو اُس کا تصور بھی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ کیا یہ ماننے کی چیز ہے کہ ایک ظالم خاوند جو عورت کو نہ آباد کرے نہ خرچ دے نہ اس کو علیحدہ کرے تا کہ وہ اپنی زندگی گزارنے کی کوئی آرام دہ راہ تلاش کر سکے مگر مذہباً عورت اس کی ایسی پابند رہے کہ وہ جذبات کی مجبوری میں ارتکابِ گناہ کر سکے لیکن تمام عمر صحیح طریق کار کا منہ نہ دیکھ سکے۔ ہندو پنتھ میں ایسے ظالم خاوند سے نجات کی کوئی صورت نہیں اور اگر بدقسمتی سے بارہ ۱۲ سال کی عمر میں ہی بیوہ ہو جائے تو پھر اس کے لیے تمام عمر تنہائی کا فرد جرم ہے اور ہمیشہ کا رنڈی رونا (دُکھ تکلیف کاٹتے رہنا)۔ اس کے لیے ہندو مذہب میں کوئی قانون ہی نہیں جس کی رو سے وہ شوہر کے مرنے کے بعد اپنے ایامِ زندگی مسرت و شادمانی کے ساتھ کاٹ سکے۔

آج یہ ماننا پڑے گا اگر ہندو عورت کو بھی وراثت، نکاح خوانی، طلاق کے ذریعہ ظالم خاوند سے رہائی، رسم ستی سے تحفظ، وغیرہ وغیرہ کی مراعات دے کر کسی مذہب نے امن و چین کی زندگی کا سبق پڑھایا ہے تو وہ مذہب اسلام ہے۔

تاریخِ عیسائیت:

اب ذرا اُس قوم کے معیارِ زندگی پر نظر ڈالیے جس کی اختیار کردہ طرزِ زندگی پر دَورِ حاضر کی خواتین منہ کھول کر اسلام پر اعتراض کر رہی ہیں اور جس قوم کے احسانات سے مشرقی خواتین کے سر جھکے جا رہے ہیں اور یہ دعویٰ ہے کہ دُنیا بھر کی اَقوام میں صرف عیسائی ہی وہ قوم ہے جس نے عورت کی وہ قدر کی جس کی مثال دوسری اقوام میں نہیں ملتی۔ اس قوم نے ہی عورتوں کو موقعہ دیا ہے کہ وہ مردوں کے دوش بدوش چل کر ملک کو ترقی دیں۔ مگر وہ نہیں جانتیں کہ عیسائی قوم کی تاریخ اِس معاملہ میں کس قدر تاریک ہے۔ اخلاق سے گری ہوئی تہذیب کا قبول کر لینا۔۔۔یا۔۔۔ اپنی مرضی کی بے راہ روی کو پسندِ خاطر رکھنا اور چیز ہے اور کسی قوم کے بنیادی اصولوں کو زیرِ نظر لا کر پھر مستحسن سمجھنا اور چیز ہے۔ اگر مشرقی خواتین نے عیسائی ڈھول کے پول کا بھی محققانہ نگاہ سے مطالعہ کیا ہوتا تو اس بناوٹ پر قربان نہ ہوتیں۔

آیئے چند صدیاں پیچھے ہٹ کر عیسائیت کی تاریخ پر نظر ڈالیے اور نتیجہ نکالیے کہ کیا عیسائی قوم ایسی ہی روشنی کا مینار ہے جس کی جانب سفر کرنے کو خواہ مخواہ جی چاہتا ہے۔۔۔یا۔۔۔ یہ تاریکی کا وہ بھیانک ستون ہے جس سے ہر سمجھ دار پرے ہٹنے کی سعی کرتا ہے، اور کیا اِسی کا نتیجہ پاکستان کی آزادی نہیں۔

سنیے! تاریخ شاہد ہے کہ رات دن عفت مآب خواتین کی عزت انہی عیسائیوں کی وحشت کاریوں کی نذر ہوتی تھی جن کی تہذیب کے گیت گائے جا رہے ہیں۔ مکار پادری ہر بُرائی کے لیے ان کے پیچھے پڑے رہتے اور اسی خیال پر 'تارک الدُنیا' رہنے کا مسئلہ بھی ایجاد کیا گیا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام

ان کے عام معاصی وجرائم کا کفارہ دے چکے ہیں۔ عیسائی دُنیا پر کچھ عرصہ تجرد کی زندگی کا بھی گزرا ہے جس میں عورتوں سے قطع تعلق ہونا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، رہن سہن، سب ترک کر دیا گیا۔ اچھا بھلا آباد گھر ویرانہ بن گیا۔ عورتوں کی زندگی اِس قدر تنگ ہوئی کہ ان کو اخلاقی کمزوری، بے حیائی اور آوارگی کو اپنانا پڑا۔ معاشرت میں ایک سخت اختلال پیدا ہوگیا۔ پرورش کے خطرہ سے بچے قتل ہونے شروع ہوگئے اور وہ بدعنوانیاں ظہور پذیر ہوئیں کہ اگر اس مخدوش ترین زمانہ میں اسلام اُن کے آڑے نہ آتا تو عیسائیت عورتوں کے جذبات خیالات احساسات کے خون سے ہولی کھیل چکی ہوتی۔ یہ ہم ہی نہیں کہتے، یورپ کا نامور مؤرخ جان ڈریپر اپنی مشہور تصنیف 'یورپ کی عملی ترقی' میں اعتراف کرتا ہے کہ آج یورپ نے طبقہء نسواں کو جو عزت بخشی ہے، وہ یقیناً اُس قرآنی تہذیب وتمدن کی عکاسی ہے جس کے اثرات سرزمین یورپ پر نہایت گہرے موجود ہیں۔ قرآن کی خدمات بے شک نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھی جانے کے قابل ہیں۔ یہ خدمات قرآن نے اُس وقت انجام دیں جب کہ عورتیں ڈنگروں اور مویشیوں سے بھی زبوں تر خیال کی جاتی تھیں۔

ایک اور یورپ کے مورخ ڈاکٹر ہیلی نے بھی اپنی 'تاریخ اسپین' میں اعتراف کیا ہے کہ عیسائیوں نے سپاہیانہ اخلاق میں عورت کے احترام کا سبق ہسپانیہ کے مسلمانوں ہی سے سیکھا ہے جن کی انتہا یہ تھی کہ مسلمانوں کا اَدنیٰ سے اَدنیٰ سپاہی بھی میدانِ کارزار میں اپنی عورت کے ساتھ نہایت خلق ونرمی سے پیش آتا تھا اور ماں کی تعظیم تو پرستش کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ اور کیوں نہ پہنچتی، مسلمانوں کو تعلیم ہی یہ دی گئی تھی کہ تمہاری جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے، اور جن مسلمانوں کا سلوک عورتوں سے اچھا ہے وہی اچھے مسلمان ہیں۔ آج تہذیبِ جدید کی دُنیا میں احترامِ نسوانیت کا ایک شور برپا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ عورت کو وہ حقوق کہیں بھی نہیں مل سکے اور نہ مل سکیں گے جو اسلام نے اس کو عطا فرما دیئے ہیں۔ کیا مندرجہ بالا تاریخی حقائق کے پیشِ نظر دَورِ حاضر کی آزاد خیال خواتین اب بھی یہ فیصلہ دیں گی کہ اسلام عورتوں کے حق میں سخت اور سخت گیر ہے اور اس نے ان کے جذبات وخیالات واحساسات کا واقعی کوئی خیال نہیں رکھا۔

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور (اقبال)

عورت کی عزت ومرتبت:

جیسا کہ پیچھے ذکر ہو چکا ہے، آج تہذیبِ جدید کی دُنیا میں احترامِ انسانیت کا ایک شور برپا ہے کہ اسلام میں مردوں کے لیے تو سب کچھ ہے اور اسلام مردوں کی پوری رعایت کرتا ہے مگر اس میں عورتوں کے لیے کچھ بھی نہیں۔ عورت ایک مظلوم ہستی ہے جس کے ساتھ اور تو اور مساویانہ سلوک بھی روا نہیں رکھا

جاتا۔ 'ناقص العقل' اور 'ناقص الدین' اس کے خطابات ہیں۔ جب فطرت نے مرد اور عورت کو یکساں حقوق عطا کیے ہیں اور تمام دُنیا کی عورتیں مردوں کے دوش بدوش رفیقِ زندگی ہو کر رہتی سہتی ہیں تو اسلام انہیں کیوں ایسی مراعات سے محروم رکھتا ہے جو اس کا فطری حق ہے۔ مردوں کا بازار میں آزادانہ چل پھر کر لین دین کرنا، دفتروں، کارخانوں، فیکٹریوں میں کام کاج کر کے روزی کمانا اگر جائز ہے تو عورتوں کے لیے یہ سب کچھ کیوں ممنوع ہے، ان کو گھروں میں کیوں مقید کیا جاتا ہے، کیا زندگی سے محروم رہنے والی ایک بدقسمت صنفِ نازک ہی ہے۔ پردہ، نقاب، خاموشی، گھریلو پابندی، چار دیواری کی قید، برقہ کی لپیٹ، یہ سب سزائیں اسی کے لیے تجویز کی گئی ہیں۔ آخر بتایا تو جائے کہ عورت کیوں ان بے رحمیوں کا شکار بنائی گئی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر اسلام نے عورتوں کے حقوق پر توجہ نہیں کی اور اگر اسلام نے ان کی فطری استعداد کے مطابق ان کو مردوں کے برابر امن وچین کی زندگی گزارنے کے لیے کچھ نہیں دیا تو پھر عورت ساری دُنیا و مافیہا سے بھی کچھ نہیں پا سکتی۔ وہ مذہب جس کی بنیاد فطرت کے اصولوں پر ہو اور جس کا مقصد ہر درجہ کے انسان کا تحفظ ہو، وہ طبقہ نسواں کو اس کے جائز حقوق سے کیونکر محروم کر سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی قانون میں جو درجہ عورت کو حاصل ہے، وہ کسی قانون میں بھی عورت کو حاصل نہیں ہوا۔ ہندو قانون میں عورت بے چاری خود مختاری کے قابل ہی نہیں سمجھی گئی اور ماں بن کر بھی اس کو اولاد کی زیرِنگرانی ہی رہنا پڑتا ہے۔ نہ وراثت میں حصہ ہے نہ عقد ثانی کا اختیار، یونانی عورت دوسری استعمالی اشیاء کی طرح فروخت کر دینے والی اور عاریۃً منتقل کی جاسکنے والی چیز تھی۔ مرد بیک وقت جتنی بیویاں چاہے رکھ سکتا تھا، رومیوں اور عربوں دونوں میں عورت جائیداد کی حیثیت رکھتی تھی اور مرد کو اس کے قتل کا کامل اختیار تھا۔ عیسائی عورت کو حد سے زیادہ نازک صورتِ حال میں بھی طلاق نہ ہو سکتی تھی اور وہ ہر جگہ پوری بدسلوکی کی مستحق گردانی جاتی تھی، اس پر طرہ یہ کہ صدیوں تک یورپ عورت میں روح کی موجودگی کا قائل ہی نہیں رہا۔

اِس سے پتا چلتا ہے کہ دُنیا بھر کے قوانین میں قانونِ اسلام ہی ایک وہ جائے پناہ ہے جہاں عورت کو راحت کی زندگی گزارنی نصیب ہو سکتی ہے اور جہاں وہ بیک جنبشِ قلم اپنے حقوق حاصل کر سکتی ہے، جو تہذیبِ جدید اپنی خود پرستیوں کے باوجود قیامت تک نہ دے سکے۔ یہ اسلام ہی کی فیاضانہ بخشش ہے کہ نہ صرف حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے بلکہ وراثت میں، طلاق میں، گھریلو زندگی میں، اولاد پر حکمرانی میں، مردوں کے برابر با اختیار سمجھتا ہے، اور یہ بتاتا ہے کہ مسلمان عورت اپنے حقوق اور اپنی انسانیت کے اعتبار سے دُنیا کی ہر قوم کی عورت سے بدرجہا مختار ہے۔ یہ انسان ہے اور بلند مرتبہ انسان، نہ محض افزائشِ

نسل کا ذریعہ ہے، نہ منتقل ہونے والی جائیداد، ناجائز طور پر فروختگی اور محکوم رہنے والی شے نہیں، اور نہ اس کی ذات بے روح اور بے حقیقت ہے۔ غرض یہ کہ اسلام ہی اپنا جزو سمجھنے، اور زندگی کی ہم سفر بنانے کا سبق دیتا ہے۔ اسلام ہی نے عورت کی دُنیا کو جنت بنانے اور قدر و منزلت کرانے میں عزت کی جگہ دے کر مرد کے دوش بدوش کھڑا کرنے کا انعام کیا ہے۔ اگر دورِ حاضرہ کی آزاد خیال خاتون اسلام کی پُر حکمت تعلیم کے نکات پر غور کرتی کہ اسلام نے مرد کو اگر عورت پر فضیلت بھی دی ہے، غالب بھی بتایا ہے، عورت کو اس کی اطاعت کا حکم بھی دیا ہے، اور کہنا نہ ماننے پر تنبیہ کا اختیار بھی عطا فرما کر سردار بنا دیا ہے، تو کیا عورت کو کچھ نہیں دیا؟ دیا ہے اور ضرور دیا ہے! مگر اس کا کیا علاج کہ اس عورت کو پہاڑ کی جلتی دکھائی دیتی ہے پاؤں کی جلتی نظر نہیں آتی۔ اسلامی عورت حقوق میں مرد کے برابر بنائی گئی ہے اور فرمایا ہے کہ۔۔۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ (۲:۲۲۸)۔ اور عورتوں کا حق اُسی طرح ہے جس طرح اُن پر حق ہے۔ پھر فرمایا۔۔۔ اس کی ہمت کا ادنیٰ نقش یہ ہے۔۔۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (۲:۱۸۷)۔۔۔ یعنی دونوں مرد اور عورت ایک دوسرے کے لیے لباس کی حیثیت رکھتے ہیں۔۔۔ گویا دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے، جس طرح لباس جسم ڈھانکتا اور سردی و گرمی سے بچاتا ہے، اسی طرح مرد عورت کا اور عورت مرد کا پردہ ہے، جو سرد و گرم زمانہ میں ایک دوسرے کے مدد و معاون ہوتے ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے سے آرام ملتا ہے، دونوں فطرتاً ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مرد کی عزت عورت سے اور عورت کی عزت مرد سے ہے۔ گویا عورت محکوم ہو کر بھی گھر کی ملکہ بن گئی ہے اور مرد پر زندگی گزارنے میں اس کے حقوق قائم ہو گئے ہیں، جن کی تفصیل آگے ذکر ہوگی۔ عورت اگر ایک طرف مرد کی محکوم ہے تو دوسری طرف اولاد کی حاکم بھی ہے، جو اس کو میراث اور کنیز سمجھتی تھی۔

اب وہ نہ تو قدیم عورت کی طرح بالکل بے اختیار نظر آتی ہے اور نہ جدید عورت کی طرح خود سر۔ بلکہ دونوں ایک حد تک مساویانہ درجہ میں رکھ دیئے گئے ہیں۔ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ اسلام کے قانون میں والدین اور اولاد کے بعد اگر سب سے بڑا تعلق کوئی ہے وہ زن و شوہر کا ہے، تو بے جا نہ ہوگا، لیکن شوہر کی ذمہ داریاں نسبتاً زیادہ ہوتی ہیں اور اس کو زندگی کے مختلف شعبوں میں زیادہ محنتیں اور جانکاہیاں کرنی پڑتی ہیں، اس لیے گھر کی صدارت فرما کر چند اہم قیود و شرائط کے ساتھ بنظر اصلاح و انتظام کچھ اختیارات بھی عطا فرما دیئے ہیں، مثلاً فرمایا:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ط ﴿۴:۳۴﴾

مرد لوگ حکمران ہیں عورتوں پر یونکہ فضیلت دی اللہ نے اُن میں سے ایک کو دوسرے پر اور یونکہ خرچ کیا مردوں نے اپنے مال کو۔ پس نیک بیبیاں فرمانبردار ہیں، پیٹھ پیچھے نگرانی رکھنے والی ہیں جس کو حفاظت میں لے لیا اللہ نے۔ اور ایسی کہ تم کو خطرہ ہو جن کی نالائقی کا تو انہیں سمجھاؤ بجھاؤ اور اُن کو بستروں میں تنہا چھوڑ دو اور انہیں مارو۔ پھر اگر وہ فرمانبردار ہو گئیں تمہاری، تو نہ ڈھونڈو اُن پر الزام رکھنے کی راہ (معارف القرآن)

مردوں کو گھروں کی امارت وصدارت عطا کر دی گئی ہے، اس لیے کہ اوّل تو قدرت وقانون کی رو سے ایک کو دوسرے پر اللہ تعالیٰ فضیلت عطا فرماتا ہی رہتا ہے اور یہ چیز خود مردوں اور عورتوں میں بھی پائی جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ وہ عورتوں کی ضروریاتِ زندگی اور خورد ونوش پر اپنی کمائی بھی خرچ کرتے ہیں۔

پس نیک اور فرمانبردار عورتیں وہ ہیں جو مردوں کی غیر موجودگی میں اُن کے گھر، مال اور ناموس کی حفاظت کرتی ہیں۔ لیکن اب جو عورتیں کہنا نہ مانیں تو نصیحت کرو، پھر اُن کی خواب گاہ کو تنہا چھوڑ دو، اِس پر بھی محسوس نہ کریں اور متنبہ نہ ہوں تو پھر اُن کو مارو۔ اگر تیسرے اس مقام پر وہ آمادہ بہ اطاعت ہو جائیں تو پھر اُن کی طرف سے نہ دل میں کوئی کینہ رکھو اور نہ انہیں متہم کرنے اور الزام تراشنے کے مواقع تلاش کرو۔

گویا یہ آیت باہم دگر سلوک وعمل کے لیے بالکل واضح ہے، تاہم عورت کی خلقی کمزوری اور گونہ بے اختیاری کی بنا پر ظالم وجاہل خاوندوں کے قہر وظلم کو روکنے کے لیے یہ احکام بھی صادر کر دیئے:

وَلَا تُضَارُّوْهُنَّ (۶۵:۶)۔ اور عورتوں کو نقصان نہ پہنچاؤ

وَلَا تُضَيِّقُوْا۔ اور نہ تنگ کرو

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۴:۱۹)۔ اور اُن کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ

۔۔۔ پھر بالفاظ ۔۔۔ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ (۴:۲۴) ۔۔۔ شادی کا مقصد بھی واضح فرما دیا کہ عورت اور مرد محض تکمیل خواہش نفسانی کے لیے یکجا نہ رہیں بلکہ باقاعدہ نکاح کر کے مستقل طور پر رہیں۔

مرد کو حسن سلوک کا حکم دیا ہے کہ وہ قوی ہے اور عورت کو اطاعت وفرمانبرداری کی ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے جسمانی وعقلی نقص کی بنا پر گمراہ نہ ہو جائیں اور مرد اِن کو جب تک کام کی تاکید کرے، اس پر کاربند ہو کر وقت گزارے اور جس بُرائی سے روکے اُس کو ترک کر دے، اور دونوں پوری بے تکلفی اور دِل جمعی کے ساتھ شریکِ زندگی بنے رہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ زندگی نہایت خوشگوار زندگی ہوگی۔

ایک طرف تو دونوں خود اولاد کی حیثیت سے ماں باپ کی فرمانبردارانہ خدمت سے طاعت و خدمت کا سبق سیکھ کر اور اس کے خوگر بن کر آئے ہوں گے۔ دوسری جانب ان کا نمونہ ان کی اولاد کے لیے مشعل راہ بنے گا۔ مگر ضروری پابندیاں یہاں بھی قائم رہیں گی، اس طرح پوری نسل کی نسل نیک اور لائق ہوتی چلی جائے گی، غور کیا جائے تو دوسری اقوام میں میاں بیوی کے اندر یہ توازن قائم نہیں رکھا گیا، کہیں عورت انتہائی نشیب میں ہے اور مرد انتہائی بلندی پر اور کہیں مرد ذلیل ہے عورت حد سے زیادہ بے راہرو۔ عیسائیوں میں تو عورت کا نام تک مرد کے نام میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے اور ہندومت میں اس کے لیے نہ کوئی حصہ ہے نہ بخرہ، نہ وراثت نہ ترکہ، نہ مہر نہ گزارہ، بلکہ عورت کی عبادت تک مرد کی اطاعت میں جذب کر دی گئی ہے جس سے اولاد کو بے انصافی کا پہلا سبق ماں کی گود ہی سے ملتا ہے۔

ایک ذی فہم انسان اس کا یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوگا کہ اسلام نے عورت کے حقوق شناسی اور حق اَدائی کے متعلق نہایت عجیب رنگ میں ایک تدریجی صورت اختیار فرمائی جس کی کسی دوسرے مذہب میں مثال نہیں ملتی۔ پہلے عورت کی تکالیف دُور کیں پھر ان کو 'خلع' حاصل کرنے کا حکم دے کر اسی اختیار کی طرف قدم اُٹھایا، پھر معاشرتی آزادی کے ساتھ مالی حیثیت بڑھانے کے لیے مہر کا تعین فرمایا اور اس کو عورت کی مرضی پر چھوڑا، اور نکاح میں اس کی مرضی اور اس کے ایجاب کو نہایت ضروری قرار دیا اور اس کا انتظام کرنے۔۔۔یا۔۔۔کسی دوسرے کے زیرِ اہتمام دینے کا پورا پورا اختیار دیا۔

یہاں ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے کہ معاشرتی اور مالی ارتقاء تو ہو گیا مگر ابھی علمی، اخلاقی، مذہبی میدان باقی ہیں، جن میں مرد کا کلی تفوق ظاہر ہو رہا تھا، یہاں بھی مساوات اور بالکل مساوات پر لے آیا گیا اور علوم و فنون کا حاصل کرنا مرد عورت دونوں پر یکساں فرض کر دیا گیا۔ مذہب میں مرد ہی کی طرح عورت پر بھی نماز، حج، زکوٰۃ، اور دیگر تمام اوامر و نواہی کی پابندی لازمی قرار دے دی گئی۔۔۔مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ﴿۱۶:۹۷﴾ جس نے کام کیا لیاقت والے کام مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان والا ہے، تو ضرور ہم اُسے زندہ رکھیں گے پاکیزہ زندگی کے ساتھ (معارف القرآن)۔۔۔فرما کر واضح کر دیا کہ جس نے بھی نیک اور شریفانہ عمل کیے خواہ وہ مرد ہو۔۔۔یا۔۔۔عورت بشرطیکہ اُس کا اللہ عزوجل اور رسول ﷺ اور آخرت پر ایمان بھی ہو، اُس کی زندگی اچھی ہوگی اور ہم اُس کو ایک اعلیٰ اور خوش گوار زندگی گزارنے کے قابل بنا دیں گے۔ گویا اسلام نے قطعی طور پر اس امر کا فیصلہ فرما دیا کہ عورت اور مرد دونوں دینی اور دُنیوی ترقی یکساں طور پر کر سکتے ہیں، اس لیے کہ دونوں میں اِس کی پوری اہلیت موجود ہے اور دونوں اس میں برابر ہیں۔

یہی سبب ہوا کہ اسلام نے عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ میں مادی اعتبار سے بڑی بڑی دولت مند، علمی اعتبار سے بڑی بڑی فاضلہ و یگانہ روزگار، روحانی اعتبار سے بڑی بڑی پاک باز و عبادت گزار اور عسکری اعتبار سے بڑی بڑی شہسوار و نبرد آزما عورتیں پیدا فرمادیں، جنہوں نے طبقۂ رجال سے اپنی عظمت و قابلیت کا اعتراف کرالیا۔

نسوانیت کالحاظ اور مرد و عورت میں تقسیمِ عمل:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فطرت نے کوئی چیز بیکار پیدا نہیں کی۔ ہر شے کے ذمہ ایک خدمت ہے جس کو اپنے حدود میں رہ کر انجام دینا اس کا فرض ہے، جس طرح اور مخلوق ہے، اِسی طرح انسان بھی فطرت کے اِس کارخانے کا ایک بہت بڑا رکن ہے جس کے ذمہ بقائے نسل اور تعمیر و تمدن کا عظیم الشان کام ہے اور اس کام کی بنیاد فطرت نے مرد و عورت کے باہمی تعلق اور اشتراکِ عمل پر رکھی ہے۔ جب تک یہ عمل فطرت کے اصولوں کے مطابق ہوتا ہے نسل چلتی ہے اور تمدن ترقی کرتا ہے، اور جب خلاف ہوتا ہے تو نسل تباہ اور تمدن برباد ہو جاتے ہیں۔

ہمیں شک نہیں کہ انسان ہونے میں مرد و عورت مساوی ہیں، تمدن کی تعمیر و تاسیس تہذیب کی تشکیل اور انسانیت کی خدمت میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔ دِل، دماغ، عقل، جذبات، خواہشات و بشری ضروریات دونوں رکھتے ہیں۔

تمدن کی اصلاح کے لیے دونوں کی تہذیبِ نفس، دماغی تربیت اور عقلی و فکری نشو و ارتقا یکساں ضروری ہے تاکہ تمدن کی خدمت میں ہر ایک اپنا پورا پورا حصہ اَدا کر سکے۔ اِس اعتبار سے مساوات کا دعویٰ صحیح ہے اور صالح تمدن کا فرض یہی ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اپنی فطری استعداد اور صلاحیت کے مطابق زیادہ سے زیادہ ترقی کرنے کا موقع دے۔ عورت کو علم اور اعلیٰ تربیت سے مزین کرے، اس کو تمدنی اور معاشرتی حقوق عطا کرے اور معاشرت میں عزت کا مقام بخشے تاکہ اس میں بھی عزتِ نفس کا احساس پیدا ہو اور اس کے اندر وہ بہترین بشری صفات اُبھر سکیں جو صرف عزتِ نفس ہی کے احساس سے اُبھر سکتی ہیں، لیکن سوسائٹی میں چونکہ عورت کو عورتوں سے زیادہ مرد کی صحبت اور مرد کو مردوں سے زیادہ عورت کی صحبت پسند و مرغوب ہوتی ہے، اس لیے نسل و تمدن کی پاکیزگی کو ہر قسم کی آلائشوں اور فتنوں سے پاک رکھنے کے لیے، اجتماعی فلاح کو انفرادی لطف اندوزی پر ترجیح دی جانی ضروری اور عورت مرد کے آزادانہ میل ملاپ اور ارتباط و اشراح پر ضبط و اعتدال کے اصولوں کے ماتحت بعض قیود عائد کرنی لازمی تھیں تاکہ اُن کے باہمی روابط اور صنفی میلانات نہ تو حد سے اتنے بڑھ جائیں کہ اُن کی روک تھام ہی مشکل

ہو جائے اور نہ اتنے کم ہو جائیں کہ فطرت کے منشاء کو پورا کرنے کے قابل ہی نہ رہیں۔

بدیں وجہ مذہبِ اسلام فطرت کی منشاء کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اپنے لانے والے کے ذریعے عورت اور مرد کو ان کے دوائرِ عمل اور فرائض و واجبات سے آگاہ کرتا اور ان کی جسمانی ساخت، ذہنی و فکری قابلیت، صنفی تعلق و عمل، طاقت و اہمیت اور جذبہء استقلال و قربانی کو مدنظر رکھ کر ان کو کام تقسیم کر کے ان کے عملی اشتراک اور تمدنی تعاون کی حدیں مقرر کرتا ہے۔ کیونکہ مرد اپنی ساخت میں مرد، اور عورت اپنی خلقت میں عورت ہے۔ لیکن دونوں کا مرکز ایک، اور دائرے مختلف ہیں۔ دونوں کا مقصد مشترک، مگر راستے الگ الگ ہیں۔ دونوں کے کام کی نوعیت ایک ہے، مگر طریقے جدا جدا ہیں۔ اگر ایک پہلو میں مرد بڑھا ہوا اور عورت کمزور ہے، تو دوسرے پہلو میں عورت بڑھی ہوئی ہے اور مرد کمزور ہے۔ دونوں کی تکوین (پیدا کرنے، وجود میں لانے) میں کمی بیشی قدرت کی بہترین صنعت ہے جو دونوں کے اختلاطِ عمل کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور دونوں بچپن ہی سے اپنے مخصوص رجحانات کا اظہار کرنے لگ جاتے ہیں۔ وہ عورت ہی ہے جو سوسائٹی کے لیے مرد پیدا کرتی اور اس کی لوحِ صیقل پر شرافت یا رذالت کے اولین خطوط کھینچتی ہے۔ مرد خواہ کتنی کوشش کرے تنہا یہ بلند مرتبہ حاصل نہیں کر سکتا اور عورت چاہے کتنے ہاتھ پاؤں مارے اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے اپنی اُڑان سے اونچی نہیں جا سکتی اور نہ کسی طرح بھی مرد کا بدل ثابت ہو سکتی ہے۔

غرضیکہ عورت کی وقعت ضعف میں، اور مرد کی فضیلت قوت میں ہے۔ پھر جو شخص قدرت کے اِس نظام کو درہم برہم کرتا اور عورت و مرد کی مساوات کا دعویٰ کر کے حلقہ ہائے عمل کو مخلوط کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ فطرت انسانی کو غلط سمجھا ہے۔ جو عورت غیر متعلقہ اشغال میں اُلجھ جاتی -- یا -- اپنے حلقے سے باہر نکل کر مردوں کے حلقے میں جا دھمکتی ہے اور اپنا کام چھوڑ کر مردوں کے کاموں میں دخل دینا شروع کر دیتی ہے، وہ حکمتِ وجود کی خلاف ورزی کر کے اپنی بلند مرتبت کو خیر باد کہہ دیتی ہے۔ ایسے ہی جو مرد عورت کے حقوق سے چشم پوشی کر کے اپنے ذمہ دارانہ فرائض کی اَدائیگی سے پہلو تہی کرتا ہے وہ ہیئتِ اجتماعی کو نقصان پہنچا کر ترقی کو روکتا اور جماعت کا مجرم ہے۔

یہی وہ چیز ہے جس سے خودسری اور بے اطمینانی بڑھتی ہے اور جس سے مرد و عورت کی خانگی زندگی برباد ہو کر رہ جاتی ہے، عورت اپنا چین اور مرد اپنا اطمینان کھو بیٹھتا ہے۔ اِسی خلفشار کے پیش نظر اسلام نے عورت کو وہ سب کچھ دیا جو دُنیا آج تک اس کو نہ دے سکی، مگر اسلام نے نہ اس کو بے عنان ہونے دیا اور نہ مرد کو بے لگام بنایا، کیونکہ عورت کو اگر اس کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے اور اسے اتنی آزادی دے دی جائے کہ وہ جو چاہے کرے اور جہاں چاہے جائے، تو طوائف الملوکی (لاقانونیت) پھیل جائے، ہر بونگ

مچ جائے، اور بنے بنائے معاملات بگڑ جائیں، جماعتی زندگی میں ہر وہ فعل جو کسی دوسرے فرد کی کارکردگی کو گھٹائے ۔۔یا۔۔ جس کا وجود کسی کی زندگی پر بارِگراں ہو جائے، روا نہیں رکھا جا سکتا۔ جماعت کسی شخص کی آزادی ۔۔یا۔۔ ذوق و جمال و کمال کی خاطر کوئی نقصان برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ جب گھر سے باہر کی زندگی میں فطرت نے عورت کے لیے کوئی کام نہیں رکھا، تو اس کو زبردستی باہر نکل کر مردوں میں دخیل ہونے اور اپنی مقررہ حدود سے تجاوز کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بفرض محال اگر اس طرح عورت کی اقتصادی اہمیت کچھ بڑھ بھی جائے، تو گھر کی سلطنت کے انتظام میں جو خرابیاں پیدا ہوں گی، اُن کی کمی کون پوری کرے گا۔

مغرب نے نسوانیت کی رعایت کیے بغیر عورت کو غیر معمولی آزادی دے دی اور مرد کی گرفت ڈھیلی کر دی جس کا خمیازہ بھگت رہا ہے۔ جس طرح بچے ہر قسم کے حقوق رکھتے ہوئے بھی آزاد چھوڑ دینے پر خراب ہو جاتے ہیں اور اپنی زندگی برباد کر کے ماں باپ کے لیے بھی موجبِ رنج بنتے ہیں۔ اِسی طرح عورت بھی ہر نوع کے حقوق رکھتے ہوئے شوہر کی عدم اطاعت اور اپنی آزادانہ روی سے خودسر ہو کر خود بھی خراب ہوتی ہے اور مرد کے لیے بھی آرامِ جان ہونے کی بجائے آزارِ دِل بن جاتی ہے، اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص عورتوں کے باہر نکلنے پر زور دیتا ہے تو فطرتِ انسانی، نظامِ معاشرت اور پردے کی حقیقت سے ناواقفیت کا ثبوت دیتا ہے۔ اور جو عورت گھر سے نکلے بغیر اپنی زندگی کے پروگرام کو نامکمل سمجھتی اور مردوں کی محفل کا سنگار بنے بغیر اپنی نسوانیت کو ضائع ہوتا ہوا خیال کرتی ہے، اس کے مقاصد کو محض مجلسی تصور کرنا اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔

عورت کے مدارج:

سرکارِ دو عالم محمد رسول اللہ ﷺ نے جب بے زبان اور غریب طبقۂ نسواں کی مظلومیت ملاحظہ فرمائی تو قوم کو پیغام دیا کہ مرد اور عورت ایک ہی اصل اور ایک ہی جوہر سے ہیں۔ اس لیے مردوں کو چاہیے کہ عورت کو کمزور سمجھ کر اس پر حکمرانی کی نہ ٹھانے اور اُس پروردگارِ عالم سے ڈرے جس نے دونوں کو ایک جان سے پیدا فرمایا۔ مولا کریم نے تمام تر روحانی مدارج اور فلاحِ اخروی میں عورتوں کو مردوں کے پہلو بہ پہلو رکھا ہے اور کسی قسم کی تفریق نہیں فرمائی۔ قربِ خداوندی کا انعام دونوں کے واسطے یکساں طور پر ہے۔ نجاتِ اخروی اور فلاحِ عقبیٰ کا مرد ہی اِجارہ دار نہیں بلکہ دونوں میں سے وہ زیادہ مستحق ہے جو زیادہ نیک کام کرے اور زیادہ متقی ہو۔ فطری جسمانی کمزوریاں اور تخلیقی خامیاں عورت کی ذلت کا تمغہ نہیں بلکہ اس کی نزاکت کا روشن پہلو ہیں جن کا پایا جانا خاطرِ فطرت نے اس کے لیے ضروری سمجھا۔ اگر یہ اس میں نہ ہوتیں تو وہ چراغِ خانہ نہ بن سکتی۔ قدرت نے اسلام میں جو مدارج اس کی کمزوریوں کے باوجود اس کو

مرحمت فرمادیئے ہیں وہ ایک اجمال ہے جس کی تفصیل نہایت ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ بخوبی واضح ہو جائے کہ عورت کی مختلف سہ گانہ حیثیتوں میں علیحدہ علیحدہ بانیِ اسلام نے اس کا کیا درجہ قائم فرمایا ہے۔

لڑکی کی حیثیت میں:

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جس کو مولا کریم نے لڑکیاں عطا فرمائی ہوں وہ اُن کی باحسن وجوہ پرورش کرے، وہ لڑکیاں اُس کے اور دوزخ کے درمیان آڑ بن جائیں گی۔ پھر ایک حدیثِ قدسی ہے کہ جس نے دو[۲] لڑکیاں پالیں وہ شخص اور میں جنت میں دو ملی ہوئی انگلیوں کی طرح ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میں تمہیں بتاؤں کہ بہترین نیکی کیا ہے کہ تیری لڑکی جو تیرے پاس آئی ہو اور تیرے سوا اُس کا کوئی دستگیر نہ ہو تو اُس کی دستگیری کر۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جس کو خداوند عالم نے لڑکی عطا فرمائی اور اُس نے اُس کو نہ زندہ دفن کیا اور نہ ہی اُس کو ذلیل سمجھا اور نہ اُس پر لڑکے کو ترجیح دی وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ اور ایک یہ بھی روایت ہے کہ کوئی بال بچے دار شخص جب کوئی چیز بازار سے لائے تو واجب ہے کہ اُس کی تقسیم کی ابتداء لڑکی سے کرے کیونکہ جو لڑکی کو خوش رکھتا ہے وہ گویا حق تعالیٰ سے ڈر کر روتا ہے اور آتش دوزخ اُس پر حرام ہوتی ہے۔

حضور ﷺ کی خدمت میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جب بھی حاضر ہوتیں تو حضور ﷺ محبت سے کھڑے ہو جاتے اور حضرت سیدہ کا ہاتھ پکڑ کر چومتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ کیا اِس سے بڑی عزت کسی مذہب میں لڑکی کے لیے ممکن ہے۔ اس کے علاوہ سب سے زیادہ حق رسانی یہ ہے کہ لڑکی اسلام میں 'محروم الارث' (وراثت سے محروم) نہیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ اللہ کریم تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت فرماتا ہے کہ ایک بیٹے کے لیے دو[۲] بیٹیوں کا حصہ ہے، اگر بیٹیاں دو[۲] سے زیادہ ہوں تو اُن کے واسطے دو تہائی ۲/۳ اور ایک ہو تو نصف۔ کیا اَدیانِ عالم اور اَقوامِ دُنیا میں کہیں بھی یہ تقسیم ملتی ہے؟، یہ وہ حیثیت ہے کہ جس پر کسی بناوٹی نقد و نظر کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

بحیثیت ماں کے:

سوسائٹی میں عورت کی ایک اہم حیثیت ماں کی ہے، جتنی اہمیت اور جتنا احترام حضور علیہ السلام نے ماں کے متعلق فرمایا ہے، وہ ایک نہایت بلند ڈگری ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ والدین کے ساتھ بھلائی کا سلوک کر، اگر ان دونوں میں سے ایک۔۔۔یا۔۔۔ دونوں ہی تیرے پاس بڑھاپے میں پہنچیں تو اُن کے

سامنے اُف بھی نہ کرنا اور اُن کے ساتھ سختی سے نہ بول بلکہ نرمی سے اُن کے ساتھ بات کر اور عاجزی کا بازو اُن کے لیے جھکا دے اور اُن کے لیے دُعا کر۔۔۔ کہ اَے رب! اِن پر رحم فرما جیسے رحم سے بچپن میں اِنہوں نے مجھے پالا۔

پھر حضور علیہ السلام نے کن موثر الفاظ میں جاہل لوگوں کو سمجھایا ہے کہ دیکھو جنت تمہاری ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور میں نے اپنی ضعیفہ ماں کو سات ۷ حج بیت اللہ شریف کے اپنے کندھوں پر بٹھا کر کرائے ہیں، کیا میری طرف سے ماں کا 'حق الخدمت' اَدا ہو گیا ہے؟، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔۔۔ ابھی تو تم اتنا معاوضہ بھی اَدا نہیں کر سکے جتنا تمہاری ماں نے تمہیں گیلے بستر سے اُٹھا کر سوکھے کی جانب لٹا دیا تھا۔

اِسی طرح ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حاضر حضور ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ!، میں نے عرب کا فلاں ریگستانی علاقہ اپنی ضعیفہ ماں کو کندھوں پر اُٹھا کر عبور کرایا ہے اور میرے پاؤں میں گرم ریت سے آبلے پڑ کر زخمی ہو گئے ہیں، کیا میں نے اپنی ماں کا کوئی حق اَدا کیا؟ فرمایا۔۔۔ ہاں ممکن ہے کہ مولا کریم تیری اس محنت کو تیری ماں کے کسی دَرد کے اُس چھوٹے جھٹکے کے عوض میں قبول فرما لے جو تیری پیدائش کے وقت تیری ماں کو لگے۔

ایک صحابی ابی الطفیل بیان فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک عورت آئی، حضور ﷺ نے اُس کے لیے اپنی چادرِ مبارک بچھا دی اور وہ اُس پر بیٹھ گئی۔ آپ سے باتیں کرتی رہی۔ پھر جب وہ اُٹھ کر چلی گئی تو ہمارے عرض کرنے پر کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ بی بی کون تھیں۔ معلوم ہوا کہ آپ کی رضاعی والدہ تھیں۔

اسی طرح کی اور مثالیں حضور ﷺ کی زندگی میں ملتی ہیں۔ حضور ﷺ نے لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ جب مصر کو فتح کرو تو مصر کے رہنے والوں سے بہتر سلوک کا برتاؤ کرنا۔ اس لیے کہ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ہاجرہ علیہا السلام اُسی سرزمین کی تھیں۔ حضور ﷺ کی ایک پیشین گوئی تھی جو پوری ہوئی اور مصر والوں نے اپنے ساتھ فاتحین کا وہ سلوک دیکھا تھا جو لاجواب تھا۔ آخر اُن سے رہا نہ گیا اور سوال کیا کہ اس قدر مہربانی کی کیا وجہ ہے تو اُن کو جواب دیا گیا جو کہ مذکور ہوا ہے تو ایک پادری بول اُٹھا کہ پیغمبر کے سوا اور کوئی ہستی عورت کا ایسا احترام نہیں کر سکتی۔

قرآن کریم نے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکہ میں سے چھٹا ۱/۶ حصہ اگر اُس کے اولاد ہو، اور اگر اولاد نہ ہو اور وارث ہوں ماں باپ تو ماں کو تیسرا ۱/۳ حصہ اور اگر اُس کے بھائی ہوں تو ماں کو چھٹا ۱/۶

حصہ بعد وصیت۔۔یا۔۔بعد اَدائیگی قرض کے، معین فرمایا ہے۔

بحیثیتِ بیوی:

عورت کی ایک اور اہم حیثیت بطور بیوی کے ہے اور اسی حیثیت میں عورت کی مظلومیت بھی آشکار ہے۔اس لیے پہلا حکمِ خداوندی جو اِس باب میں نازل ہوا یہ تھا کہ بیوی موجبِ تسکین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری جنس سے تمہارے واسطے تمہاری بیویاں بنائیں تاکہ تم اُن سے تسکین پاؤ اور اُسی نے تمہارے درمیاں الفت اور محبت پیدا فرمائی۔اُن کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو اور اُن کو وہی کھانے کو دو جو خود کھاؤ۔اور اُن کو وہی پہناؤ جو خود پہنو اور اُن سے درشتی سے پیش نہ آؤ۔تمہارے ترکہ میں سے وہ چوتھائی ۱/۴ حصہ کی حقدار ہیں اگر اُن سے تمہارے ہاں اولاد نہ ہو، اور اگر ہو تو آٹھواں ۱/۸ حصہ کی مالک ہوں گی۔

گویا حضور ﷺ ہی کی رحمت سے عورت کو یہ حق ملا ہے کہ وہ خودمختارانہ طور پر کسی جائداد کی قابض و مالک ہوسکتی ہیں، ورنہ حضور ﷺ کی تشریف آوری تک وہ ایک ذلیل ترین چیز تھی۔

حدیثِ حجاب:

جب مسئلہ ءحجاب کو غیر متعلق الجھنوں سے جدا کر کے دیکھا جائے تو اِس میں بالکل شک نہیں رہتا کہ اسلامی معاشرت میں اَز روئے شرع شریف نامحرم مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول کی سخت ممانعت ہے اور اگر منشائے شریعت یہی ہے تو ہم اِس کو بعینہٖ قبول کرنے پر مامور ہیں جس میں ہماری ذاتی آراء وخواہشات کو کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے۔شریعت کے احکام قرآن واحادیث سے صحابہ ءکرام کی روشنی میں استخراج کیے جاتے ہیں، اس کے علاوہ کوئی بھی تغیر بالرائے۔۔یا۔۔اتباعِ نفس میں خودساختہ استدلال قابلِ قبول شے نہیں سمجھا جاتا۔

قرآن وحدیث کی رُو سے عورت اپنے دائرہ ءعمل میں اِس حد تک آزاد ہے جس حد تک اُس کی فطرت اُسے اجازت دیتی اور اُس کی صنفی ذمہ داریاں اس کی متحمل ہوسکتی ہیں۔اِس کی مثال بالکل اُس 'سروٗ' (سائپرس۔Cypress) کے پودے کی سی ہے جو آزاد بھی ہے اور پاگل بھی۔اسلامی احکام کے ماتحت اِس چراغِ خانہ کی آزادی اِس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ اپنے خاوند کے گھر کی ملکہ بن کر اپنے بال بچوں پر حکمران ہے اور اپنی ضروریات کے لیے کامل ستر پوش اور حیاداری کی شرط کے ساتھ گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور ضرورت کے وقت ضروری اعضا کھول سکتی ہے۔

یہ بات دلیل کی محتاج نہیں کہ عورتوں کا مطلق العنان اور خودسر ہونا کسی بھی طرح مناسب نہیں،

قرآن کریم میں ۔۔۔ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ ۔۔۔کی مقدس تعلیم ہم کو بتا رہی ہے کہ ہم عورتوں کے ساتھ گھروں میں ایسا سلوک رکھیں کہ اُن کو کسی غرض کے لیے بھی باہر نکلنے کی ضرورت نہ پڑے اور وہ ہماری پردہ دری کی باعث نہ بنیں۔ جہاں تک علم کا تعلق ہے، کوئی آسمانی کتاب پردہ کی مخالفت نہیں کرتی۔ یہ ایک جداگانہ چیز ہے کہ انسان اپنی قلبی کجی اور نیت کے فتور کے باعث تاویلات سے اپنا الو سیدھا کرنے کی سعی کرے۔ پردہ میں رہنے سے نہ حبس ہوتا ہے نہ قید، نہ اختلاج نہ اختلاق (افتراء، بہتان)، یہ محض من گھڑت ڈھکوسلے ہیں کہ قیود سے عورت مقید ہوتی ہے، جس کی اسلام میں سخت ممانعت ہے۔ گھر میں چل پھر سکتی ہے خاص خاص عزیزوں کے ہاں آ جاسکتی ہے۔ وہ مقید نہیں، محبوس نہیں۔ البتہ جیسے آب دار موتی اور تابدار زیور حفاظت کے قابل ہوتے ہیں، یہ جنس گراں مایہ (قیمتی) بھی چھپانے کے قابل ہے۔ ہر ایک کے دیکھنے سے میلی ہوتی ہے اور بے پردہ ہونے سے اگر چار[۴] نظریں نیک اُس پر پڑتی ہیں تو بیس[۲۰] بدنظریں بھی اُس کے چہرے پر پیوست ہو جاتی ہیں۔ عورت کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ نسوانیت کے دائرے میں رہتے ہوئے مردوں کی رہنمائی کرے، اُن کے لیے سکونِ قلب کا سامان بہم پہنچائے، اور اُن کے اندر ہمت واستقلال کی روح پیدا کردے۔ اگر وہ اِس معیار پر پوری نہیں اُترتی تو کہنا پڑے گا۔۔۔

این گل از بستان ما نارستہ بہ   داغش از دامان ملت شستہ بہ

۔۔۔عورتوں کو چھپا کر رکھنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مردوں کے اخلاق خراب ہیں بلکہ یہ کہ عورت دراصل خالق الکل کی ایک قابلِ احترام مخلوق ہے اور اِس کے وجود کی نوعیت اس امر کی مقتضی ہے کہ اسے اجنبی نگاہوں سے محفوظ رکھا جائے۔ عورت ایک عظیم الشان ذریعۂ تخلیق ہے، اور یہ امر متحقق ہے کہ دُنیا کی تمام تخلیقی قوتیں مستور و محجوب ہیں۔ عورت کے قویٰ میں ایک ایسی لچک، ایک ایسا حسن اور اس کے جذبات وحیات میں قدرت نے ایک ایسی نزاکت رکھی ہے جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ اس کی ساری خوبیوں سے کما حقہ اِسی صورت میں فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے جب وہ اپنی فطرت کے دائرے میں محجوب ہو۔ اِسے مردوں کی طرح سیدھا جفاکش اور سخت بنانے کی کوشش کرنا اِسے بےکار اور نعوذ باللہ قدرت کو بےوقوف بنانا ہے۔

پردہ کی ابتدا کب ہوئی:

مندرجہ بالا تمہید کے بعد مجھے یہ بتانا ہے کہ آیا پردہ شریعتِ اسلامیہ کی رو سے واجب ہے۔۔۔یا۔۔۔ جیسا کہ ترقی نسواں کے جدید حامی دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں پردہ غیر اقوام کی تقلید سے رائج ہو گیا ہے، وہ صحیح ہے؟ غور سے دیکھا جائے تو اِس بحث کے چار[۴] پہلو ہیں:

۱۔ زن و مرد کے نامحرمانہ اختلاط کی تاحدِ امکان ممانعت۔

۲۔ عورتوں کا گھریلو زندگی سے مختص ہونا اور گھروں میں بیٹھنا۔

۳۔ پردہ کے لیے برقع پہننا۔۔یا۔۔چادر اُوڑھنا۔

۴۔ مردوں کا عورتوں پر حاکم ہونا۔

زن و مرد کی نامحرمانہ اختلاط کی ممانعت کا دوسرا نام پردہ ہے۔اسلام سے پہلے عرب بھی عورت کے متعلق اِسی جہالت و تاریکی کا شکار تھا جس کا آج یہاں کا اسلامیات سے ناواقف طبقہ اظہار کر رہا ہے۔

پردہ کا سب سے ابتدائی حکم ۵ ھ میں نازل ہوا۔جب حضور علیہ السلام نے ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے عقد کیا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہوا۔۔۔کہ مؤمن بغیر اذن کے نبی ﷺ کے حرم سرائے میں داخل نہ ہوں اور ضروریات کے لیے پس پردہ سوال کریں۔۔۔جس کی تکمیل و تعمیل کے لیے حضور علیہ السلام نے تمام ازواج مطہرات کے دروازوں پر پردے ڈلوا دیے اور غیر محرموں کو اندر آنے سے منع فرما دیا۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے طلحہ بن عبید اللہ کو جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملنے سے روکا تھا،جس پر وہ ناراض ہوگیا۔اس حکم کے بعد ازواج مطہرات باہر نہیں نکلتی تھیں اور کشف چہرہ (یعنی منہ کھلا رکھنے) کی ممانعت تو ہو ہی چکی تھی،اب اظہار شخصیت کی بھی اجازت نہ رہی۔

آج ہمارے بعض محققین جن کو بے پردگی کی حمایت میں قلم اُٹھانا ہوتا ہے،بڑے شدومد سے یہ لکھ دیتے ہیں کہ اسلام میں چہرے اور ہاتھوں کے سوا پردہ ہے،مروجہ پردہ کا جواز مطلق ثابت نہیں بلکہ 'کشف وجہ' یعنی چہرہ کھلا رکھنے کے دلائل موجود ہیں،وغیرہ وغیرہ۔لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔سورۂ نور کے چوتھے رکوع میں آیت حجاب تلاوت کیجیے سمجھ آجائے گی کہ 'پردۂ شرع' کا مفہوم کیا ہے اور چہرہ داخل ستر ہے۔۔یا۔۔نہیں۔سرکارِ انبیاء ﷺ کو ارشاد ہوتا ہے:اَے رسولِ مکرم (ﷺ)!مؤمن مردوں سے فرما دیجیے کہ اپنی نگاہیں عورتوں پر پڑنے سے روکیں،اور اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھیں۔یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔وہ جو کچھ کرتے ہیں،اللہ تعالیٰ اُسے جانتا ہے۔اور اَے رسول مکرم (ﷺ)!ایمان والی عورتوں سے فرما دیجیے کہ اپنی نگاہیں مردوں پر پڑنے سے روکیں اور اپنی شرم گاہیں محفوظ رکھیں،وہ اپنا حسن ظاہر نہ ہونے دیں،سوائے اُس کے کہ جو کھلا رہے۔

انہیں چاہیے کہ اپنے سینے،سَر پر ڈالنے والی چادر سے ڈھانکے رکھیں۔وہ اپنا حسن ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اپنے شوہر کے سامنے۔۔یا۔۔اپنے شوہر کے بیٹوں کے سامنے۔۔یا۔۔اپنے بھائی ۔۔یا۔۔اپنے بھتیجوں کے اور بھانجوں کے سامنے۔۔یا۔۔اپنے گھر کی عورتوں کے سامنے۔۔یا۔۔اپنے

لونڈی غلاموں کے سامنے جن سے ان کی خواہش کا امکان نہیں۔۔یا۔۔ایسے بچے ماتحتوں کے سامنے ۔۔یا۔۔ایسے ماتحت مردوں کے سامنے جو عورتوں کی خفیہ باتوں سے واقف نہیں ہو چکے۔اور وہ اِس طرح پاؤں مار کر بھی نہ چلیں جس سے اُن کا مخفی حسن ظاہر ہو جائے۔اِس آیت میں حسن کا مفہوم ظاہر ہے۔جس میں ہاتھ پاؤں منہ اور جسم کا سارا سانچہ شامل ہے۔ورنہ نامحرموں کے سامنے اگر ہاتھ پاؤں اور منہ کھلے رکھنے کی اجازت ہوتی تو پھر وہ کون سا حسن باقی رہ جاتا ہے۔جس کی باپ بیٹے بھائی بھتیجے اور بھانجے اور نوکرانیاں وغیرہ کو دیکھنے کی خصوصیت سے اجازت دی گئی ہے۔چہرہ آنکھیں رخسارے اور رنگت ہی تو فتنہ کا باعث ہیں،اگر یہ کھلے رکھنے کی اجازت ہے تو پھر پردہ کے معنی ہی فوت ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت۔۔۔یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ (۳۳:۵۹)۔۔۔کے تحت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کے لیے گھروں سے نکلیں تو اپنے چہروں کو سر کے اوپر سے چادروں کے ساتھ ڈھانک لیا کریں اور ایک آنکھ کھلی رکھیں۔اِسی کی تائید میں حضرت فاطمہ بنت منذر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم حج کے احرام کی حالت میں بھی اپنے چہرے ڈھانپ لیا کرتی تھیں اور حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا بھی ہمارے ساتھ تھیں۔ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم احرام باندھے ہوئے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہوتی تھیں،پس جب کوئی ہمیں سوار راستہ میں ملتا تو ہم چادروں کو سروں کے اوپر سے اپنے چہروں پر لٹکا لیتی تھیں،پھر جب وہ گزر جاتا تو ہم چادروں کو اُوپر اُٹھا لیتی تھیں۔

بعض لوگوں نے قرآنی 'حسن' کا مفہوم زیورات اور سنگار لیا ہے کہ اُس کو بھی چھپائیں مگر جو اس سے نہ چھپ سکے،کیا اَنمل اور بے جوڑ بات ہے کہ جس زیور اور سنگار سے چہرہ کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے،اُس کو تو چھپایا جائے اور چہرہ کو ننگا رکھا جائے کیونکہ وہ داخلِ 'حسن' نہیں۔۔۔علیٰ ھذا القیاس۔'جو اس سے نہ چھپ سکے اور کھلا رہ جائے'۔۔۔کا مطلب بھی ظاہر ہے کہ برقع اگر ہو خوبصورت اور کپڑے کی چڑک بھڑک ہو نہایت جاذبِ نگاہ تو برقع اوڑھ لینے کے بعد بھی قد و قامت اور چال ڈھال جسم کی بناوٹ اور برقع کی موزونیت کا جو نقشہ نظروں سے چھپانا ناممکن ہے اُس کی اجازت ہے۔ورنہ جس کو خدا نے استطاعت دے رکھی ہے وہ تو ڈیوڑھی سے ڈولی۔۔یا۔۔موٹر اور ٹانگہ تک بھی پردے تان کر کھلا رہ جانے کا بھی کوئی امکان باقی نہیں رہنے دیتے،اور اب سے پہلے مسلم خواتین جو پردہ وحجاب کو اپنی عفت وعصمت کا بیش بہا خزانہ وزیور سمجھتی تھیں،یوں ہی ڈولیوں میں اعزا و اقارب کے ہاں جاتی آتی تھیں۔اور یہی طریقہ شادی بیاہ ماتم وتعزیت کی تقریبات میں بھی جاری ہوتا تھا۔اگرچہ مغرب پرستی کی وبا بعض اونچے گھرانوں اور

افسر نما مسلمانوں میں داخل ہو چکی تھی، مگر وہاں بھی نمائش حسن و جمال اور آرائش خد و خال میں دَورِ موجودہ کی حیا سوز عریانی نہ تھی۔ بہر حال۔۔۔ 'جو کھلا رہ جائے' کا ترجمہ یہ کرنا کہ۔۔۔ جتنا کھلا رہ جائے۔۔۔ ایک ایسی لغویت بنی کہ جس کی حد شاید سارا لباس اُتار کر بھی ختم نہ ہو۔ ظاہر ہے۔۔۔ کہ جو کھلا رہ جائے۔۔۔ کی معقول تشریح یہی ہے۔۔۔ کہ اتنا کھلا رہ جانا جس کو ڈھانپنا کسی مزید تکلف کا محتاج بنا دے، اُس کے چھپانے کا چارہ نہ ہو۔ اب یہ چارہ بھی ہر ایک کی حیثیت اور استطاعت پر مبنی ہے۔ ذی حیثیت و مالدار بند گاڑیوں میں جائیں گے، اور غریب برقع اُوڑھ کر سڑک پر چلنے پر مجبور ہوں گے۔

ہاں! عہدِ نبوت کی ایک اور اصلاحی صورت بھی قابلِ ذکر ہے جو ممکن ہے بے پردگی کے حامی کو دلیل کا کام دے سکے، لہٰذا اُس کا بیان کر دینا بھی غیر ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ یعنی اُس وقت مستورات بیت الخلا اور نماز کے لیے گھر سے دو۲ وقت نکلا کرتی تھیں، کیونکہ اُن دنوں میں مکانوں پر بیت الخلا نہیں بنائے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِس کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ عورتوں کو قضائے حاجت کے لیے باہر جانے سے روکا جائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اِس رائے کے مطابق پردہ کا حکم آ گیا۔ پھر سورۂ نور کی آیاتِ پردہ نازل ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو جو باہر نکلنے کی اجازت فرما رکھی تھی، اُس سے بھی منع فرما دیا۔ بیت الخلا گھروں میں بنائے گئے، جس کا ذکر بخاری اور مسلم میں ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں بیت الخلا بننے کا آتا ہے۔

بعض لوگ جنگوں اور دیگر مختلف ضروری سفروں میں مستورات کی شمولیت سے یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ وہ بے پردہ شامل ہوتی تھیں۔ مگر یہ ایک خیالی نقشہ سامنے رکھ کر تاویل کی جاتی ہے۔ ورنہ وہ اُس وقت کی فضا اور حالات سے واقف ہوں تو یہ تکلف نہ کریں۔ یاد رہے کہ امہات المؤمنین اور صحابیات نزولِ آیاتِ حجاب کے بعد کبھی بے نقاب جنگوں اور سفروں میں شریک نہیں ہوئیں، بلکہ اُن کو ہودج میں سوار کیا جاتا تھا جہاں منہ ڈھانپے جانے کے علاوہ اُن کے کپڑے اور وجود بھی پوشیدہ رہتا تھا۔ غزوات کے بیان میں اِس کی تمام تصریح موجود ہے۔ اُس وقت پر نگاہ ڈالیے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے تشریف لے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو کئی اہم کام ایسے پیش آتے ہیں جن میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورے کی اہمیت سے ضرورت محسوس ہوتی ہے، مثلاً: خلافت کی بحث، سقیفہ بنی ساعدہ کا مشورہ، بنی ہاشم کا مشورہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ اور دیگر اختلافی مسائل۔ مگر امہات المؤمنین تشریف لے جا کر بے پردہ شریک نہیں ہوئیں، بلکہ صحابہ نے خود اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر بالواسطہ۔۔۔ یا۔۔۔ بلاواسطہ پس پردہ مشورہ طلب کیا ہے۔ یہی کیفیت جنگِ جمل میں حضرت

صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تھی۔

صحابیات کا پردہ:

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ آپ عورتوں کا مسجدوں میں جانا پسند نہیں فرماتی تھیں، اور جب صحابہء کرام نے صحابیات کو مسجد میں جانے سے منع کیا تو حضور ﷺ نے پسند فرمایا۔ ایک صحابیہ تھیں جنہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ نماز اَدا کرنے کو پسند رکھتی ہوں مگر میرے خاوند نے مجھ کو روک دیا ہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا۔۔۔ تمہاری نماز گھروں میں زیادہ بہتر ہے۔ غور کا مقام ہے کہ نماز جیسے کام کے لیے جب سرورِ عالم ﷺ مستورات کو باہر نکل کر اَدا کرنے سے روکتے ہیں، تو بتایئے: ووٹنگ اسٹیشن اور سینما وغیرہ کا کیا قصہ ہے۔ حضرت ابو سائب رضی اللہ عنہ ایک نوجوان صحابی ہیں، وہ باہر سے آئے اور اپنی بیوی کو دروازے پر کھڑا دیکھ کر غیرت سے نیزہ اُٹھا لیا کہ اُسے ماردوں، بیوی نے کہا کہ پہلے اندر جا کر دیکھ لو کہ مجھے گھر سے باہر کھڑا ہونے پر کس چیز نے مجبور کیا ہے پھر مجھے مارنا، چنانچہ اندر جا کر دیکھا، ایک بڑا سانپ کنڈلی مارے چارپائی پر بیٹھا ہے۔ آپ نے نیزہ سے اُس پر حملہ کیا اور سانپ نے آپ پر، سانپ بھی گر گیا اور صحابی بھی اُس کے زہر سے فوت ہو گئے۔ بتاؤ جن لوگوں کی غیرت عورت کو دروازہ پر کھڑا ہونا گوارا نہیں کرتی تھی، وہ سفروں میں بے نقاب کہاں لیے لیے پھرتے تھے؟

جنگ میں پردہ کا اہتمام:

لڑائی کے میدان میں بھی مومنات کا پردہ ہوتا تھا، چنانچہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سیدِ عالم ﷺ غزوۂ بنی مصطلق میں اپنے ہمراہ اِس صورت سے لے گئے کہ آپ ہودج میں سوار تھیں، جن میں چہرہ کا ننگا رہنا تو دَرکنار آپ کا لباس اور تمام جسم بھی پوشیدہ تھا۔ اگر آپ جنگ میں۔۔۔ یا۔۔۔ جنگ کے اختتام پر بے پردہ ہوتیں اور صحابہ کے سامنے ننگے منہ آتیں۔۔۔ یا۔۔۔ کلام فرماتیں، تو آپ کو اپنے قافلے سے بچھڑ جانے کی صورت ہی پیش نہ آتی۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر پردہ کے متعلق چند احادیث اور پیش کی جائیں تا کہ موجودہ دَور کا مسلمان شبہ میں نہ رہے، آگے عمل اُس کا اپنا کام ہے۔

۱۔ عبداللہ بن عمر کی روایت سے طبرانی نے بیان کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے۔۔۔ عورتوں کے لیے باہر نکلنے میں کوئی حصہ نہیں، مگر یہ کہ مجبور و مضطر ہوں۔

۲۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ہم حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضور ﷺ

نے تمام حاضرین سے فرمایا۔۔۔ کہ عورت کے لیے کون سی بات سب سے بہتر ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سب خاموش ہوگئے اور کسی نے جواب نہ دیا، تو میں اُٹھ کر گھر چلا آیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ عورتوں کے لیے سب سے بہتر بات کیا ہے، تو حضرت فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔۔۔ کہ نہ وہ مردوں کو دیکھیں اور نہ مرد اُن کو دیکھیں، میں نے واپس آکر یہ جواب آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا۔۔۔ فاطمہ میری لختِ جگر ہیں، وہ خوب سمجھیں۔

ہم کہتے ہیں کہ کیا مسلمان عورت کے لیے اگر کسی عورت کا اُسوہ قابل تقلید ہوسکتا ہے، تو وہ یہی رسول خدا ﷺ کی بیٹیاں، ازواجِ مطہرات اور صحابیات نہیں ہیں؟ اور کیا ان کی زندگیوں سے یہ پتا نہیں چلتا کہ جن قدسی منش بیبیوں کے گھروں میں پردہ کے احکام نازل ہوئے، اُن کا عمل کیا تھا۔ افسوس! آج کی مسلم خواتین یہ معلوم کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں فرماتیں کہ اسلامی تعلیمِ حجاب سے اُن کی بے حجابی کو کوئی ذرہ بھر عملی تعلق اور دُور کا واسطہ بھی ہے؟

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے۔۔۔ کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے تنہائی میں ملتا ہے تو اُن کے ساتھ تیسرا ساتھی شیطان ہوتا ہے۔

۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک عورت (قبیلہ بنو مزینۃ کی) زیب و زینت کے لباس میں مٹکتی ہوئی مسجد میں آئی تو حضور ﷺ نے فرمایا ۔۔۔ کہ لوگو اپنی عورتوں کو زیب و زینت کر کے مسجدوں میں مٹکنے سے روکو، کیونکہ بنی اسرائیل پر اُس وقت تک لعنت نہیں کی گئی جب تک اُن کی عورتوں نے مزین لباس پہن کر مسجدوں میں مٹکنا اختیار نہیں کیا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے۔۔۔ تین شخص کبھی جنت میں داخل نہ ہوں گے: دیوث، مردانی شکل بنانے والی عورت، اور ہمیشہ شراب پینے والا شرابی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ حضور دیوث کون ہے؟، فرمایا۔۔۔ وہ مرد جس کو اِس کی پرواہ نہ ہو کہ اس کی گھر والیوں کے پاس کون آتا جاتا ہے۔

۵۔ ام المؤمنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ اتنے میں ابن مکتوم (نابینا) صحابی آگئے اور سیدھے آپ ﷺ کے پاس پہنچے۔ حضور نے مجھ سے اور میمونہ (رضی اللہ عنہا) سے فرمایا۔۔۔ کہ تم دونوں پردے میں ہو جاؤ۔ تو میں نے عرض کیا۔۔۔ یارسول اللہ (ﷺ)! کیا ابن مکتوم نابینا نہیں ہیں۔ فرمایا۔۔۔ کیا تم بھی نابینا ہو، تم اس کو نہیں دیکھ سکتیں؟

اِن اسلامی احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد عورت دونوں کے لیے پردہ و ستر پوشی ضروری ہے۔

مرد کے لیے ناف سے زانو تک چھپانا ستر میں داخل ہے، اور باقی بدن کا چھپانا اِس کی تکمیل ہے۔ اور عورت کے لیے تمام بدن ڈھانپنا واجب ہے اور مکان کے اندر پردہ نشین ہونا اس کی تکمیل ہے۔ عورت کا مکان کے اندر رہنا ایسا ہے جیسے مرد کا تمام بدن پر کپڑا پہننا اور اُس کا باہر پھرنا ایسا ہے جیسے مرد کا صرف ایک کچھیاوے۔۔یا۔۔نکر پر اکتفا کرنا۔ پھر جب اسلامی احکام میں ٹخنوں پر نظر پڑنا بھی 'تقربِ زنا' فرمایا جائے، تو بتایئے عورت کا ننگے منہ پھرنا کیا ہوگا؟ مختصراً یوں سمجھیے کہ عورتوں کے۔۔۔

☆ لباس کے متعلق حکمِ الٰہی ہے۔۔۔وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ۔ (۳۱:۲۴) کہ اپنی اوڑھنیاں سینہ پر ڈال لیا کرو۔۔۔

☆ دیکھنے کے متعلق فرمایا۔۔۔وَیَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ۔ (۳۱:۲۴) اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔۔۔

☆ چلنے کے متعلق فرمایا۔۔۔لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ۔ (۳۱:۲۴)۔۔یعنی چلتے وقت زمین پر پاؤں نہ ماریں کہ خفیہ زیورات کی جھنکار پر کسی کی توجہ نہ پھر سکے۔۔۔

☆ گفتگو کے متعلق فرمایا۔۔۔قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ (۳۲:۳۳) یعنی صاف لفظوں میں اپنا مقصد بیان کر دینا۔ تصنع اور بناوٹ سے چبا چبا کر بات نہ کریں، تاکہ اس سے کسی قسم کی غلط فہمی پیدا نہ ہو، کیونکہ صرف چہرہ کی خوبصورتی سے ہی واردات کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ بسا اوقات نرم کلامی اور آواز کی دِل کشی بھی جذبات میں تحریک پیدا کر دیتی ہے۔

الغرض جسم کی بناوٹ، بالوں کی درازی، قوتِ واہمہ کی زیادتی، گردن کی باریکی، حیض و نفاس کی کیفیتیں، آواز کی لوچ، زیورات کی جھنکار، تمام اعضاء کی نزاکت، حسن کی دِل کشی، کلام کی سامعہ نوازی اور دماغ کی کوتاہی، یہ تمام باتیں ایسی ہیں جن کے باعث بالعموم عورتیں مردوں کی نسبت باہر نکلنے سے مجبور ہیں، اور ان وجوہ کی بنا پر ان کا پردہ کرنا، گھر میں رہنا، بچوں کی پرورش، سلیقہ سے انتظامِ خانہ داری کرنا، اور مردوں کی جو حفاظت رب العزت نے ان کے سپرد کی ہے، اس کی اہمیت سمجھنا، نہایت ضروری ہے۔ کاش کہ مغرب زدہ مسلمان یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ عورت کے معاملہ میں مشیتِ ایزدی اور رضائے نبوی ﷺ کیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

شادی اور اسلام:

اسلام میں عقد و نکاح ایک اہم اور نہایت ضروری چیز ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔۔۔کہ نکاح میری سنت ہے، جس نے اس سے گریز کیا وہ مسلمان نہیں۔۔یا۔۔مجھ سے نہیں، ایک اور مقام پر حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا۔۔۔کہ نکاح نصف دین ہے۔ یعنی بالفاظِ دیگر دین کے نصف حصہ

میں عبادات معاملات اور اخلاقیات ہیں اور نصف میں نکاح ہے، اور ہونا بھی چاہیے۔ اس لیے کہ اگر نکاح نہ ہوگا تو فطری جوش ضرور کوئی دوسری راہ نکال لے گا اور جرائم ومعاصی کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو جائے گا جو نکاح نہ کرنے والے کے دین کو مجروح اور برباد کر کے رکھ دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے زنا کو جو نکاح کی ضد ہے، اِتنا سنگین جرم قرار دیا ہے کہ اس کی سزا قتلِ عمد (کسی کو جان بوجھ کر قتل کرنے) سے بھی زیادہ رکھی گئی ہے۔ قتلِ عمد میں تو وارثوں کا مقتول کے معاوضہ پر راضی ہو جانے سے قاتل چھوٹ بھی سکتا ہے اور اُس کی جان بھی بچ سکتی ہے۔ مگر زانی اور زانیہ کے بچنے کا کوئی بعید تر امکان بھی نہیں۔ اس لیے قتل تو اتفاقی طور پر غلط فہمی سے اشتعال سے یکا یک عالمِ برافروختگی (طیش وغصہ کی حالت) میں وقوع پذیر ہو جاتا ہے اور اُس کے نتائج وہیں قتل کے ساتھ ہی ختم ہو کر رہ جاتے ہیں، اور قاتل کو بعض اوقات قتل کے بعد پشیمانی سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے، مگر زنا کے نتائج بہت دُوررَس ہوتے ہیں اور یہ اغوا، حبس بے جا، رقابت، معاندت، رسوائی، بے حیائی، سب وشتم اور قتل وذنب کا مورد بن جاتا ہے۔ اس لیے تو اسلام نے زنا اور ڈکیتی کو ناقابلِ عفو گناہ فرمایا ہے، کیونکہ ڈاکو اگر جان ومال لُوٹتا ہے تو زانی متاعِ ناموس کا لٹیرا ہوتا ہے اور شریف انسان ننگ وناموس کو جان اور مال سے بھی زیادہ قیمتی سمجھتے ہیں۔ اور اگر ایسا نہ سمجھیں تو انسان اور حیوان میں فرق نہیں رہتا۔ پیدا کرنے والے خالق نے خود اِسے انتہائی بے حیائی کا بُرا کام بیان فرمایا ہے۔ بنابریں اگر زانی۔۔یا۔۔زانیہ شادی شدہ ہیں تو بحکمِ الٰہی اُن کی سزا یہ ہے کہ انہیں سنگسار کر دیا جائے اور اُن پر اتنے پتھر مارے جائیں کہ ڈھک جائیں۔ اور اگر وہ کنوارے ہیں تو پورے سو کوڑے لگائے جائیں، خواہ اُن کوڑوں کی ضربات سے وہ زندہ رہیں۔۔یا۔۔مر جائیں۔

آج کہ اخلاقی بندشوں کی گرفت ڈھیلی ہو چکی ہے، ان مسائل کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، ورنہ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ایک زنا بے شمار دوسرے جرائم کو اپنے جلو میں لیے ہوتا ہے۔ اسقاطِ حمل، رقابت، رشک، اغوا، معاندت، چوری، ضرر رسانی، جنگ وجدال، فسادات، خاندانی تباہی، قتل، ڈاکے اور مداخلت بے جا وحلف دروغی وغیرہ، اِسی ہی کی پیداوار ہیں۔ پھر صحتِ انسانی کی تباہی میں علاوہ ازیں بیسوں امراضِ خبیثہ لگ جاتے ہیں، جن کا اثر بسا اوقات پشت ہا پشت تک پیچھا نہیں چھوڑتا۔ انسانی نسلیں کمزور اور نحیف پیدا ہونے کے علاوہ تباہ وبرباد بھی ہو جاتی ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک زمیندار کسی دوسرے کی زمین میں اگر چوری سے کاشت کرے اور گمان یہ رکھے کہ میں زمین اور فصل دونوں کا مالک بن جاؤں گا، تو وہ اپنے نظریئے میں کہاں تک حق بجانب ہے۔ زمین تو ہے ہی کسی کی، مگر اس غلطی سے فصل کی پیداوار بھی کھو بیٹھے گا۔ گویا اس کی آنے والی نسل یوں ہی تباہ ہو جائے گی۔ اگر

اُس زنا سے لڑکا پیدا ہوگا تو وہ قطعی طور پر اپنے باپ کی جائداد سے محروم وراثت ہو جائے گا اور اگر لڑکی ہو گی تو محرومِ وراثت ہونے کے علاوہ ظاہر ہے کہ زانیہ ماں اُس کو کس قماش کی بنائے گی اور جس حرام کاری کی لائن پر وہ خود جارہی ہے اُس پر ایک خاندانی لڑکی نافہم باپ کی غلطی سے اغیار کی ہو کر رہ جائے گی، جس کا تمام تر ذمہ دار زانی باپ ہوگا۔

غرضیکہ ایک زنا صد ہزار مصائب ومعائب کا باعث بن جاتا ہے۔ شاید اِسی نتیجہ پر مذہبی حیثیت میں اس پر یہ فتویٰ دیا گیا ہے کہ زانی زنا کرتے وقت مسلمان نہیں رہتا اور اگر اُسی حالتِ زنا میں اس کی موت واقع ہو جائے تو وہ موت بھی اسلام پر نہ سمجھی جائے گی۔

اسلام نے انہی حالات وعواقب کے پیشِ نظر جہاں ایک طرف اتنی سنگین سزا متعین فرمائی ہے، دوسری طرف زنا کے امکانات روکنے کے لیے نکاح پر انتہائی زور بھی دیا ہے اور فرمایا ہے کہ کوئی بیوہ بلا وجہ نہ بیٹھنے پائے اور کنواری لڑکی کی سن بلوغت تک پہنچتے ہی شادی کر دی جائے، نظریں نیچی رکھیں اور باہر نہ نکلنے پائیں، تا کہ اُن کی کوئی حرکت۔۔یا۔۔زینت وسنگار نا محرموں کے لیے کشش وجذب کا سبب نہ بن جائے۔ پھر چار عورتوں تک نکاح کی اجازت اور طلاق وخلع کی آسانیاں بھی بہم پہنچا دیں۔

اسلامی نکاح کی سادگی اور اس پر رسمیات کا رنگ:

ظاہر ہے کہ قدرت نے ہر مرد وعورت میں میلانِ جنسی کی نا قابل ضبط قوت عطا فرمائی ہے اور دونوں کی یک جائی نہایت لازمی اور ناگزیر ہے، جس کی دو۲ ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، نکاح۔۔یا۔۔زنا۔ صورتِ اوّل نہایت مبارک اور صحت وسرور کے ساتھ بقائے نسل کی بھی ضامن ہے، اور صورتِ ثانی بالکل ضد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نکاح بلوغ کو مستحسن وواجب قرار دیا ہے، اور اِس فساد کے پیشِ نظر کہ کل کو کوئی مخاصمت ونا سازش (عداوت ومخالفت) پیدا نہ ہو فریقین میں پسندیدگی کی بھی اجازت دے دی ہے تا کہ نکاح کے بعد کوئی چیز تفاوت (دُوری، جدائی) کا باعث نہ بن سکے۔

مسلمانوں کی اکثر شادیاں چونکہ خاندان اور کنبہ میں ہی ہو جاتی ہیں، لہٰذا بمقابلہ دوسری اقوام کے اِن کو یہ بھی فائدہ پہنچ جاتا ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے عادات واخلاق اور شکل وشمائل سے پہلے ہی واقف ہوتے ہیں، اِس کے بعد بھی خدانخواستہ اگر کوئی صورت ناگواری کی پیدا ہو جائے اور نباہ نہ ہو سکنے والے حالات بن جائیں تو ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر دونوں اپنی راحت وعافیت کی دوسری جائز راہ پیدا کر سکتے ہیں، اور یہ آسانیاں اِس امر کا موجب ہیں کہ لوگ زنا سے محفوظ رہ کر اپنی صحت وعزت کو تباہ ہونے سے بچالیں اور امن عامہ میں بھی خلل واقع نہ ہونے پائے۔ گویا دوسرے معنوں میں یہ ہوگا

کہ نکاح میں جتنی آسانیاں ہوں گی، زنا کے امکانات اتنے ہی معدوم ہوتے چلے جائیں گے۔
پھر مسلمانوں میں نکاح کا طریقہ بھی نہایت سادہ ہے، دوگواہوں کے سامنے فریقین ۔۔یا۔۔ وکلائے فریقین کے سامنے ایجاب وقبول کرلیا تو نکاح ہوگیا۔ رہا خطبۂ نکاح وہ سنت ہے اور برکت کے لیے پڑھا جانا لازمی ہے۔ عیسائیوں کی طرح چرچ، پادری رجسٹری، اور سرٹیفکیٹ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور نہ ہندوؤں کی طرح 'بیس کھڑاگ'۔
دلہن بیاہ کرلانے پر حسبِ حیثیت دعوتِ ولیمہ سنتِ زوائدہ ہے۔ جس کی اَدائیگی اپنی مرضی اور حیثیت پر منحصر ہے، میسر ہوتو کھلایا جائے، نہ ہوتو قرض دام لے کر ولیمہ رچانے کی ضرورت نہیں اور نہ اسلام کسی کو تنگ کرنا چاہتا ہے۔ ایک صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں، جنہوں نے پنیر اور گھی کی تجارت سے کروڑ پتی ہونے کا منصب حاصل کیا، جب طبیعت نے رجوع کیا تو چپ چپاتے ایک انصاری عورت سے شادی کرلی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑوں سے خوشبو آتے دیکھ کر پوچھا: کیا شادی کرلی ہے؟، عرض کی ہاں حضور کرلی۔ فرمایا۔۔۔ اچھا! ولیمہ کردینا چاہیے خواہ ایک بکری ہی کا ہو۔ اسلام کے عہدِ اوّل میں ایسی خاموشی اور آسانی سے نکاح ہوجاتے تھے جن میں لغویات اور رسمیات کو ذرّہ بھر بھی دخل نہ تھا۔ نہ دولہا شاہانہ جوڑا پہن کر گھوڑے پر سوار ہوتا تھا، نہ ریشمین پھولوں اور تلے کا سہرا باندھتا، نہ منہ پر سرخ رومال ڈالتا۔ نہ بَراتیوں کی ایک عظیم تعداد کے ساتھ دلہن کے گھر جاتا، نہ انگریزی اور دیسی باجے بجتے، نہ طوطیاں اور نقاروں کا شور ہوتا، نہ بازاروں کے وحشیانہ چکر کاٹے جاتے۔
غرضیکہ اسلام میں بیاہ شادی جتنی آسان چیز تھی مسلمانوں نے اُتنا ہی مشکل اور تباہ کن بنادیا ہے۔ یہ بھلا کون سی سنت ہے کہ نکاح کے وقت سہرا اور گانا باندھنا، دولہا دلہن کے سر سے پھول نچھاور کرنا، نکاح کے بعد اجنبی عورتوں کا دولہا کے پاس آنا، گانا، کھیلنے کی رسم اَدا کرنا، اُس کے ناک وکان کا مسلنا، مصری کی ڈلی دلہن کے جسم پر رکھ کر دولہا سے زبان کے ساتھ اُٹھوانا، خلوت کے وقت کمرے کے گرد وپیش منڈلانا۔
حضرت سید آدم بنوری جو ایک یگانہ روزگار عالم اور عارفِ کامل گزرے ہیں لکھتے ہیں، کہ ہمارے ملک میں بوقتِ نکاح جو رسوم اَدا کی جاتی ہیں، اُن میں بعض بدعت ہیں اور بعض کفر، جن کے کرنے سے نکاح ہی ساقط ہوجاتا ہے۔ اور ایسے نکاح سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ جائز اولاد نہیں ہوسکتی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ دولہا کو سرخ اور ریشمی لباس پہننا اور سونے کی انگوٹھی، بٹن، اور زنجیری وغیرہ کا استعمال حرام اور ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا شرعاً ناجائز ہے۔ اِسی طرح مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی علیہ الرحمہ نے بھی

ممنوعاتِ نکاح میں لکھا کہ آتش بازی پر مال کا ضائع کرنا، بلاضرورت گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں گشت لگانا جو اَز راہِ تکبر اور نمود و نمائش ہو قطعاً منع ہے، اور باجوں گاجوں کے ساتھ تماشہ کرنے والوں اور تماشہ کرنے والیوں کا شریک ہونا، اور حاضرین کا ان تمام بدعاتِ محرمہ سے لذت حاصل کرنا بالکل خلافِ شریعت ہے، گو بعض دَورِ حاضر کے علماء نے اعلانِ نکاح کی صورت میں دفوں اور مراسم البد کا استعمال جائز قرار دیا ہے۔

پھولوں کا سہرا:

ہر سمجھ دار مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ رسومات کو اپنانے سے مسلمانوں کی بیرونی و اندرونی طاقت کو گھن لگ گیا ہے جو رفتہ رفتہ اصل لکڑی کو بھی کھائے جا رہا ہے، اور مسلمان انہی رسوماتِ بد کی بدولت تباہ و برباد اور مفلس محتاج ہوا ہے۔ اسلامی تعلیم، اسلامی اخلاق، اسلامی فضائل سے ان کا قطعاً کوئی لگاؤ نہیں نظر آ رہا اور ان کے اسلام کا اصلی مطمع نظر بالکل بدبختی کے سیاہ بادلوں میں چھپ چکا ہے۔ کیونکہ وہ اسلام جو کبھی فخر کائناتِ انسانی تھا، یہ اس کو ننگِ مذاہب بنا رہے ہیں۔ جہاں ان کے کردار کے باعث ان کی ذلت ہوتی ہے وہاں اسلام بھی توہین سے محفوظ نہیں رہتا۔ خود تو برباد ہوتے ہی ہیں لیکن اسلام کی پیشانی کو بھی اپنے کلنک کے ٹیکے سے داغدار کرنے کی کسر نہیں چھوڑتے۔ کاش کہ یہ بدنام کنندۂ اسلام اگر اسلام کے نہ بنتے، اپنے ہی بنتے، اور اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر اپنے آپ کو دوزخ کے گڑھے سے بچا لیتے۔ اگر اسراف و تبذیر کے مسائل یاد نہیں رکھے تھے، تو ان کی عملی تفسیر کے ہزاروں نمونے تو ان کے سامنے تھے، جس کے کھنڈرات بلند آواز سے ازین سومیا کی پکار پکار کر شہادت دے رہے ہیں۔

اسراف و تبذیر:

'اسراف' اُس فضول خرچی کا نام ہے جو باوجود استطاعت و طاقت کے کی جائے، مثلاً: ایک شخص کو طاقت تو ایک سو روپیہ خرچ کرنے کی ہے مگر کام اس کا جس پر وہ خرچ کرنا چاہتا ہے، پچاس ۵۰ روپیہ میں چل سکتا ہے، تو ایسی صورت میں اگر وہ سو روپیہ خرچ کرے گا تو 'مسرف'، یعنی فضول خرچ کہلائے گا۔ اور 'تبذیر' کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص کو طاقت پچاس ۵۰ روپیہ خرچ کرنے کی نہیں لیکن وہ خرچ پچاس ۵۰ روپیہ ہی کر دیتا ہے تو وہ 'مبذر' ہے۔

جس چیز کو ہم 'اسراف' کہتے ہیں، وہ بالفاظِ دیگر اعتدال کی ضد ہوتی ہے، اور مولا کریم نے فرمایا ہے کہ ہر انسان اپنی طاقت کے موافق مکلّف ہے، خداوندِ عالم کسی شخص پر اُس کی قوت و طاقت سے زیادہ بار نہیں ڈالنا چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ 'مبذر' کو شیطان بھی فرمایا گیا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی سوانح مقدسہ

کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملات ہی نہیں بلکہ عبادات وخیرات میں بھی ایک خاص میانہ روی کی ہدایت فرمائی ہے۔۔۔ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا ۔۔۔ کے الفاظ ایسی بے نظیر موعظت ہیں، اگر مسلمان اس پر عمل پیرا ہوں تو آج ان کی تمام پریشانیاں رفع، کمزوریاں اور رسومات درست، عادات متروک، اور فضول خرچیاں مسدود ہو جائیں۔ لیکن افسوس کہ بدقسمتی سے مسلمان اسلامی تعلیم سے اس قدر متنفر ہو چکا ہے کہ ایسے خیالات وتحریکات سے نہایت تیز روی کے ساتھ گزر جاتا ہے، حالانکہ شریعت اِس کو نہایت میانہ روی کی تعلیم دیتی ہے اور وہ نہیں چاہتی کہ صدقات وخیرات میں بھی حد سے تجاوز ہو۔ وہ مؤمن کے مال کو یہاں تک محفوظ کرتی ہے کہ نماز کا وضو کرنے کے لیے بھی کہیں اگر سفر میں پانی قیمتاً ملتا ہو اور قیمت اتنی زیادہ ہو کہ اُس کی اَدائیگی بار دکھائی دے تو شریعتِ مطہرہ کا حکم ہے کہ اپنا مال بچالو اور تیمّم سے نماز اَدا کرو، گویا فریضہء الٰہی تک کی اَدائیگی کے لیے بھی زیادہ خرچ برداشت کرنا جائز نہیں رکھا گیا۔ پھر غور کا مقام ہے کہ رسومات پر واہی تباہی خرچ کرنے کی کیونکر اجازت ہو سکتی ہے۔

ہاں! علمائے اسلام شادی کی رسومات سے ایک 'رسمِ سہرا' جو صرف پھولوں کا ہو، اُس میں کانچ کی نلکیاں اور پنیاں وغیرہ نہ ہوں، کو جائز فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس کے متعلق ایک فتویٰ اعلیٰ حضرت فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ کا جس کو مولانا احمد رضا خان نے طبع کرایا ہے، عوام کے فائدہ کے لیے بالاختصار یہاں نقل کر دینا نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

> پھولوں کا سہرا رسوم دنیویہ سے ایک رسم ہے جن کی ممانعت شرع مطہرہ سے ثابت نہیں اور نہ ہی شرع میں اس کے کرنے کا حکم آیا ہے۔ اس لیے یہ مثل اور تمام عادات ورسومات مباحہ کے مباح رہے گا۔

شرع شریف کا قاعدہ کلیہ ہے کہ جس چیز کو خدا اور رسول اچھا بتائیں وہ اچھی ہے اور جسے بُرا فرمائیں وہ بُری ہے، اور جس سے سکوت فرمائیں یعنی شرع سے نہ اس کی خوبی نکلے نہ برائی، وہ 'اباحتِ اصلیہ' پر رہتی ہے کہ اس کے فعل وترک میں نہ ثواب ہے نہ عتاب۔ اور یہ قاعدہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کیونکہ آج کل مخالفین اہل سنت نے یہ روش اختیار کر رکھی ہے کہ جس چیز کو چاہا، شرک، حرام، بدعت، ضلالت کہنا شروع کر دیا، اگرچہ وہ فعل صحابہء کرام، تابعین عظام ۔۔یا۔۔ ائمہ اعلام سے ثابت ہو، اور اگرچہ وہ فعل اس نیک بات کے عموم واطلاق میں داخل ہو جس کی خوبیاں صریح قرآن وحدیث میں مذکور ہوں۔ پھر سہرے وغیرہ رسمی باتوں کی تو کیا حقیقت ہے اور اِس پر طرہ یہ کہ اہلسنت سے پوچھتے ہیں کہ تم جو اِن چیزوں کو جائز بتاتے ہو، قرآن وحدیث میں کہاں لکھا ہے۔ حالانکہ اُن کو اپنی خوش فہمی سے

اتنی خبر نہیں کہ جائز کہنے والا کسی دلیلِ خاص کا محتاج نہیں ہوتا، جو ناجائز کہے وہ خود قرآن وحدیث میں دکھائے کہ کس آیت وحدیث سے ناجائز قرار دے رہا ہے۔ جب قاعدۂ شرعیہ معلوم ہوگیا تو سہرے کا حکم خود ہی کھل گیا، اب جو ناجائز، حرام، بدعت بتلائے تو وہ قرآن وحدیث سے ثابت کر دکھلائے۔ ورنہ یہ کہنا پڑے گا کہ شرع تمہاری زبان کا نام نہیں کہ مباح چیزوں کو بھی جسے چاہو بے دلیل حرام وممنوع کہہ دو۔ کیونکہ دنیوی عادات ورسم پر حکمِ بدعت نہیں ہوسکتا۔ مثلاً: پلاؤ کھانا، دولہا کو کپڑے پہنانا، دلہن کو پالکی میں بٹھلانا وغیرہ۔ اِسی طرح سہرا ہے کہ اسے بھی کوئی دینی بات سمجھ کر نہیں کرتا اور نہ ہی بغرض ثواب کیا جاتا ہے، بلکہ سب ایک رسم ہی جان کر کرتے ہیں۔ ہاں! اگر کوئی جاہل اِس کو دینی بات جانے تو اُس کی سمجھ پر اعتراض صحیح ہے اور سہرے کے باب میں حدیث۔۔۔مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ (سنن ابی داود:۴۰۳۱) ۔۔۔پیش کرنا اور یہ کہنا کہ ہندو بھی سہرا باندھتے تھے، اُن سے مشابہت نکلے گی محض غلط ہے۔ کیونکہ حدیث میں لفظ 'تشبہ' مذکور ہے جس کے معنی اپنے آپ کو کسی کے مشابہ بنانا ہے جس پر حقیقتاً۔۔یا۔۔حکماً 'قصدِ مشابہت' پایا جانا ضروری ہے، کیونکہ بَر بنائے تشبہ کسی فعل کی ممانعت اُسی وقت صحیح ہے کہ جب فاعل کا قصد مشابہت ہو۔۔یا۔۔وہ فعل اہلِ باطل کا شعار وعلامتِ خاصّہ ہو، جس کے سبب وہ پہچانے جاتے ہوں۔۔یا۔۔خود اُس فعل کی مذمت شرعِ مطہرہ سے ثابت ہو، تو بُرا کہا جائے گا، ورنہ نہیں۔ انگرکھا ہم بھی پہنتے ہیں اور ہندو بھی پہنتے ہیں، تو محض اِس وجہ سے کہ ہندو بھی پہنتے ہیں انگرکھا پہننا حرام نہ ہوگا۔

درمختار میں 'بحر الرائق' سے منقول ہے کہ اہلِ کتاب سے تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں بلکہ بُری بات میں مکروہ ہے، اور وہ بھی وہاں کہ اُن سے مشابہت کا قصد کیا جائے۔ الغرض سہرا نہ شرعاً منع ہے نہ شرعاً ضروری، بلکہ ایک دنیوی رسم ہے۔ کی تو کیا نہ کی تو کیا۔ جو کوئی سہرے کو حرام، گناہ، بدعت، ضلالت بنائے وہ سخت جھوٹا، بر سرِ باطل اور جو اِسے ضروری، لازم اور ترک کو شرعاً موجبِ تشنیع جانے وہ نرا جاہل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسی مجالس وتقاریب میں شریک ہونا۔۔یا۔۔خود ایسے افعال کا ارتکاب کرنا قطعاً قابلِ پرہیز ہے جو ممنوعاتِ شرعیہ سے مملو (بھرا ہوا، پُر) ہوں، اور جو محض مباح امور سے متعلق ہوں اور اپنی اباحت میں کوئی بھی ممانعت کا پہلو نہ رکھیں وہ بحکم جواز ہی ہوں گی۔

آج کی رسومات وبدعاتِ نکاح سے پتا چلتا ہے کہ شریعتِ محمدیہ ﷺ میں زنا کے استیصال کے پیشِ نظر نکاح کو جتنی سہل اور سادہ صورت دے کر لغویات سے پاک رکھنا مقصود تھا، اِسی قدر مسلمانوں نے اغیار کی صحبت سے اِس متبرک تقریب کو سخت سے سخت تر بنا دیا ہے۔ اور اب تو نکاح کا ہونا بھی محال اور بدترین جنجال بن گیا ہے۔ اگر اس لعنت کا نتیجہ دیکھنا ہو تو ایک ایک محلّہ میں بیسیوں ایسی لڑکیاں آپ

کو ملیں گی جنھوں نے اس 'کھڑاگ' کا شکار ہو کر بال سفید کر لیے ہیں اور شادی نہیں ہوسکی۔ گویا نکاح کیا ہے؟ ایک بحرِ بیکراں عبور کرنا ہے۔ اِسی انتظار میں کہ رسومات کی اَدائیگی کے لیے جب تک کچھ پلے نہیں ہوتا جوان لڑکی کو دروازے سے اُٹھانا توہینِ خاندان سمجھا جاتا ہے، جس کا حشر یہ ہوتا ہے کہ وہ خود ہی اُٹھنے کی سعی کر لیتی ہیں اور والدین کے خاندانی رسمیات کا بت توڑ کر یہ سبق دے جاتی ہیں کہ شریعتِ محمدیہ ﷺ کے تابعدار بن کر لڑکیوں کو ٹھکانے لگاؤ۔ بعض اوقات ایک ہی شادی میں رسومات و بدعات کا وہ رنگ ہوتا ہے کہ عمر بھر کا اندوختہ (جمع کیا ہوا، بچا ہوا) ہی ختم نہیں ہوجاتا بلکہ جائداد تک بھی نیلام ہوجاتی ہے اور شادی والا جوڑا خانماں برباد گھر سے نکل کر تمام عمر کرایہ کے مکانوں میں دربدری کر کے مرجاتا ہے، حالانکہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔۔۔ ان اعظم النکاح برکۃ السیدۃ مودنۃ۔ (البیھقی فی شعب الایمان) یعنی بڑی برکت کا نکاح وہ ہے جس میں مہر اور خرچ کم ہو اور تھوڑے پر قناعت کی جائے۔

گزشتہ زمانہ میں سنا کرتے تھے۔۔۔ کہ بنیا کی کمائی مکان۔۔ یا۔۔ بیاہ نے کھائی۔۔۔ لیکن اب مسلمانوں کے متعلق یہ کہہ دیا جائے۔۔۔ کہ مسلمانوں کی کمائی مکان۔۔ یا۔۔ بیاہ نے کھائی۔۔۔ تو بے جانہ ہوگا، کیونکہ آج کل عام شادیاں اسلامی طریق پر نہیں بلکہ غیر اقوام کے طریق پر ہوتی ہیں اور مسلمانوں نے ہندوانہ طریق کو اپنا کر اپنی اور اپنی اولاد کی زندگیاں اجیرن بنا رکھی ہیں۔

تعلیم و تاریخِ اسلام پر نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ اسلام مسلمانوں کے لیے اُس چشمہ۔۔ یا۔۔ بارش کے پانی کی طرح ان کو ملا تھا جو روشنی سے زیادہ اُجلا اور آئینہ سے زیادہ شفاف تھا۔ مگر جس طرح آسمان کا پانی زمین پر گر کر اُس کی رنگت کو اپنا لیتا ہے اور سرخ و سیاہ ہو کر بہنے لگتا ہے، ایسے ہی اسلام کی رَو جس ملک و معاشرت اور تمدن پر سے گزری اُس کے خس و خاشاک رسومات اُس میں ملتے چلے گئے اور اُس کا سفید رنگ گدلا ہوتا چلا گیا۔ اگر باور نہ ہو، تو سرکار علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کا وہ مسجدِ نبوی والا نکاح دیکھو اور آج کے مسلمان کا بیاہ دیکھو، تو دونوں کے بعد المشرقین (بہت زیادہ فرق) کا پتا چل جائے گا اور یہ ماننا پڑے گا کہ تمام رسوم و رواج غیر اسلامی ہیں اور ان کا دخول غیر اقوام کے میل ملاپ سے یوں ہوا کہ مسلمان بادشاہوں کے حرم خانوں میں جب ہندو عورتیں آئیں اور زینتِ حرم سرا بنیں تو اپنی اولاد پیدا ہونے پر انہیں نے ہر خوشی و غمی کی تقریب کے لیے وہ طریق اختیار کیا جو اُن کے میکے گھر کا دستور العمل تھا۔ نوکرانیوں اور ماماؤں کی حریص نگاہوں نے اور سونے پر سہاگے کا کام کیا اور ہندوانہ رسومات بڑے آرام سے شاہی محلوں میں جاری و ساری ہوگئیں۔

ساچق (بَری) کی رسم کہ دولہا کے گھر کی عورتیں دلہن کے گھر میں حسبِ حیثیت پانچ ۵ سیر سے

پچاس ۵۰ من تک مقدار کی اشیا جس میں مصری، شیرینی، چھوہارے میوہ، قیمتی سے قیمتی جوڑے، اور زیورات ہوں، ایک جلوس کی صورت میں لے کر جاتی ہیں۔ ان کے ساتھ بہت سی ٹھلیا ہوتی ہیں جن پر سفید اور زرد رنگ بھرا ہوتا ہے اور اندر سے شربت اور دودھ سے پُر ہوتی ہیں، ساتھ ہی سہاگ پُڑا، عطر، تیل، مہندی، مسی، جوتیاں، تک بھی سامان پہنچایا جاتا ہے۔ لاگ واگ تقسیم کیے جاتے ہیں جو امیروں کے پونڈوں، اشرفیوں، اور روپوں کی شکل میں اور غرباء کے کم از کم دُونی، چونّی کی صورت میں ہوتے ہیں۔

سمدھنوں میں شربت و دودھ کے داد وستد کے علاوہ اُن سوہاگ، گیت، ٹونے اور بکواسات کی گردان ہوتی ہے جو شیطان کی ماں کو بھی نہ یاد ہوں۔ کیا یہ تمام خرافات گنگا دیوی، دیول دیوی، جودھا بائی وغیرہ، ہندو عورتوں کی یادگار نہیں؟ جو مسلمان بادشاہوں کے محلوں میں اُن کی جہیز میں پہنچی تھیں اور پھر وہاں سے امراء وزراء کے گھروں میں تقسیم ہو کر عوام کے گلے کا ہار ہو گئیں، ورنہ کون مسلمان ہے جو ثابت کر دے کہ یہ خاندانِ نبوت کا امر بالمعروف --یا-- صحابیات سے لیا ہوا اُسوۂ حسنہ ہے۔

بَرات:

گہری تحقیق میں نہ جانا چاہو تو صرف اپنی برات کی رسم پر ہی نگاہ ڈال لو کہ یہ اسلامی رسم ہے --یا-- ہندوانہ۔ ہندو قوم منوشاستری ہدایات کی رُو سے اپنی ننہالی ذات میں رشتہ نہ کرنے پر مجبور تھی، اس لیے وہ بالعموم شادیاں دُور دُور کرنے پر معذور ہوتی گئی۔ چونکہ اُس زمانہ میں نقل و حمل کی آسانیاں نہ تھیں، راستے مخدوش (پُرخطر) تھے، اس لیے دولہا کے ساتھ تحفظِ مال و زر زیورات کے لیے ایک بڑی جماعت کا ہونا ایک قومی امداد تھی، تاکہ دولہا اور دلہن مع تمام سامانِ شادی حفاظت کے ساتھ آجائے۔ خصوصاً راجپوتوں میں ایسے مواقع پر بسا اوقات جبر سے کام لینا پڑتا تھا، جھگڑے بھی ہوتے تھے، اور نزاعی امورات بھی پیش آجاتے تھے، کیونکہ خود تو نہ لڑکے لڑکی کا دیکھنا اور پسندیدگی کا اظہار کرنا ہوتا تھا، پھر اجنبی خاندانوں سے واسطہ پردیس اور دُور دراز کے سفر کی وجوہات نے اُن کے ساتھ دو تین سو --یا-- کم و بیش براتیوں کا جلوس ایک قومی رسم بنا دیا تھا۔ مگر مسلمان کے لیے یہ لاؤ لشکر کیوں ضروری سمجھا جائے، جب کہ اس کی شادی قریب سے قریب فاصلے پر ہو رہی ہو بلکہ گھر بھی ایک ہی، چچا کے ہاں بھتیجا بیاہا جا رہا ہو۔

تو تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ مسلمان جب ہندوستان میں آئے تو پٹھانوں کی حکومت تک تو وہ ان رسومات سے بچے رہے اور ان میں اسلامی طرزِ عمل جلوہ فرما رہا، اسلامی سادگی قائم رہی۔ مگر مغلیہ دَور شروع ہوتے ہی مسلم گھرانوں میں رسموں کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ غیر اقوام سے تعلقاتِ مناکحت وغیرہ شروع ہوئے، تو اُن کی پاس داری اور اُن کے رشتوں کے سبب فرمانرواؤں اور امراء کو جیسا

کہ پیچھے ذکر ہو چکا ہے تمام ہندوانہ رسومات اَدا کرنی پڑیں۔ پھر یہی ہندو خواتین مسلم گھرانوں میں آ کر صاحبِ اولاد اور مالکِ نظم و نسق بنیں۔ جنہوں نے اپنی سابقہ قومی رسومات پر دھڑلے سے عمل کیا۔ چونکہ اس ظاہرداری اور بناؤ تناؤ میں ایک گونہ اظہارِ تفوق وشان بھی تھی اور خرچ کرنے کو شاہی خزانے کی تھیلیوں کے منہ کھلے تھے۔ اس لیے تمام وہ رسومات جن کو انہوں نے اپنانا چاہا دِل کھول کر اپنایا اور اُن کے دیکھا دیکھی شاہی محلوں کے خوشہ چینوں اور حاشیہ نشینوں، امیروں، وزیروں، درباریوں، سرداریوں میں یہ رسومات منتقل ہوئیں۔

پھر عام مسلمانوں نے بھی اُن کی تقلید میں قدم اُٹھایا اور ہر گھر میں ڈھولک، باجے، گانے، کھارے، مہندی، ساچق، گھڑولی اور رت جگے، جیسی خرافات عمل میں آنے لگ گئیں، اُس وقت تو سلطنت کے نشے اور دولت کی فراوانی میں احساس زیاں نہ ہوا لیکن بعد ازاں آج کل یہ رسوم ہندوانہ کروڑہا مسلمانوں کی بربادی کا عنوان بنی ہوئی ہیں، اور اتنی مضبوطی سے گھر کر چکی ہیں کہ بعض اوقات ہماری مستورات اُن کو فرائض سے بھی زیادہ بلند خیال کر جاتی ہیں۔ اللہ کریم کے احکام چھوٹیں، نبی رؤف ورحیم ﷺ کی نافرمانی ہو جائے، مگر کیا مجال جو اپنے اپنے وقت پر اور ہونے والی رسوم میں فرق آ جائے۔ اُن کے گھروں میں عزیزوں میں فساد برپا ہو کر سمدھیانے میں ناراضگیاں پیدا ہو جاتی ہیں، اور بعض حالات میں تو جاہلوں اور کم ظرفوں میں رشتے ناطوں کا انقطاع ہو جاتا ہے، گویا ان رسومات کے استحکام کی نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ان کا ارتفاع اور اصلاح کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ پھر اس پر اور بدبختی یہ کہ ایک گھر میں بیاہ شروع ہوا اور رشتے کنبے کے پچاس ۵۰ گھروں میں فکر پیدا ہوئی۔ وہ غریب برادری جن کے پاس روٹی تک کا گزارہ نہیں، زیورات رہن رکھ کر، برتن بیچ کر، قرض لے کر اہتمام کرتے ہیں کہ فلانے کے ہاں شادی ہے اور برادری میں جہاں باقی بھائی خرچ کرنے کو تیار ہوں گے ہماری رسوائی نہ ہو۔ کیا تماشا ہے؟ یہ رسومات کی شادیاں، شادیاں نہیں بلکہ بربادیاں ہیں۔

اسراف و تبذیر، نمود و نمائش، رسومات کی پابندی، یہ ہماری نمائش کے تین ۳ اہم عناصر ہیں۔ اور یہ تینوں آہستہ آہستہ مسلمانوں کو کفر کی حد تک پہنچا رہے ہیں، خدا رحم فرمائے۔ سب کچھ عطا فرمانے والے رحیم و کریم خدا کی خوشنودی اور رضا جوئی کا کسی کو بھی خیال تک نہیں۔ نام و نمود کے جنون نے بڑے بڑے سمجھداروں کو پاگل بنا رکھا ہے۔ اپنے ایمان اور اپنی دولت کو اپنے ہاتھوں آگ لگائی جاتی ہے اور اس پر فخر کیا جاتا ہے۔ ایسے مسلمانوں کو اگر یہ کہا جائے کہ اپنی لڑکیوں اور بہنوں کو اپنی جائدادوں سے شرعی حصہ دو، تو مرنے لگتے ہیں۔ اور بعضوں کو دیکھا گیا ہے جو بہنوں اور بیٹیوں کو حصہ دینے سے عدالتوں میں

یہ کہہ کر اِنکار کر آتے ہیں کہ ہم شریعت کے پابند نہیں، رواج کے پابند ہیں، تا کہ خدا اور رسول ﷺ کے حکم کے ماتحت حصہ نہ دینا پڑے۔ کاش کہ یہ نام و نمود کا مجسمہ، ریڈیو سیٹ اور باقی لچریات میں روپیہ برباد کرنے کی بجائے لڑکی ۔۔یا۔۔ بہن کو اس کا شرعی حصہ عطا کر دیتا، لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ دُنیا تو تباہ ہوئی سو ہوئی، نافرمانی شریعت میں خدا کو بھی منہ دکھانے کی کوئی صورت نہیں رہی۔ اِس وقت ضرورت ہے کہ فرزندانِ توحید اتباعِ شریعت میں قدم اُٹھائیں اور بھولا ہوا سبق یاد کریں۔

نکاح اور اس کے شرائط:

اسلام عورت و مرد کے آزادانہ میل ملاپ کو بغیر نکاح کے پسند نہیں کرتا، کیونکہ قرآن پاک میں عورتوں کی مردوں سے علیحدگی کے متعلق متعدد اصول بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ اسلام اُن تمام مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کے لیے حرام کرتا ہے جو ایک جگہ رہنے سہنے سے نہایت قریبی تعلقات رکھنے پر مجبور ہیں۔

۲۔ پھر اُن تمام عورتوں کو حرام قرار دیتا ہے جو کسی دوسرے رشتۂ نکاح میں منسلک ہوں۔

۳۔ پھر مندرجہ بالا دونوں قسموں کے علاوہ جو عورتیں باقی ہیں، اُن کے ساتھ ہر قسم کے ناجائز تعلقات رکھنے بلکہ تاک جھانک سے بھی منع کرتا ہے۔

اس طرح صنفی انتشار کے تمام دروازے بند کر کے صرف اُس عورت کو مرد پر حلال کرتا ہے جو اپنی ۔۔یا۔۔ اپنے متعلقین کی رضامندی کے ساتھ باقاعدہ اعلان و اظہار اور تعین مہر کے بعد نکاح میں آئے خواہ وہ مہر معجّل (ادا کیا گیا ہو) ۔۔یا۔۔ غیر معجّل (عند الطلب واجب الادا) رکھا گیا ہو۔

نکاح کی تعریف:

نکاح دَر حقیقت اُس 'عقد' کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے مرد کو عورت سے 'منافعِ جنسی' حاصل کرنے کا شرعاً استحقاق (حق حاصل) ہو جاتا ہے۔

نکاح کا مستحب طریق یہ ہے کہ اگر لڑکی بالغ ہو تو لڑکی کے والد ۔۔یا۔۔ والی کو مناسب ہے کہ اوّل اُس سے اذن طلب کرے، اور اِذن طلب کرتے وقت اپنے ساتھ دو ۲ گواہ رکھے، گواہوں کی موجودگی شریعت نے نہایت ضروری قرار دی ہے۔ جب لڑکی اجازت دے ۔۔یا۔۔ خاموش رہے ۔۔یا۔۔ ہنس دے ۔۔یا۔۔ رونے لگے ۔۔یا۔۔ ہوں کر دے، تو پھر نکاح خواں کو اجازت دے دیں کہ فلاں کی بیٹی نے اپنا نکاح پڑھانے کے لیے بعوض اِتنے مہر کے، فلاں شخص کے ساتھ آپ کو اختیار دیا ہے، آپ نکاح پڑھ دیں اور ان الفاظ پر بھی گواہی دیں، تو نکاح خواں (جس کا کوئی تعین نہیں کہ وہ محلے کا امامِ مسجد ہو

۔۔یا۔۔کوئی اور اہلِ علم۔۔یا۔۔اپنا بزرگ ہو) یہ الفاظ سنتے ہی خطبہء نکاح شروع کر دے اور خطبہ پڑھ چکنے کے بعد دولہا سے کہے۔۔۔کہ میں نے فلاں بنت فلاں کا نکاح بعوض اتنے مہر کے برائے مالیت وزوجیت تمہارے ساتھ کیا، کیا تم نے قبول کیا؟ دولہا جواب میں کہے کہ میں نے قبول کیا۔ پس اِن الفاظ کے کہنے سے نکاح ہو جاتا ہے۔ مگر اِن الفاظ کا تین [۳] بار دہرانا بہتر ہے۔ پھر اِس کے بعد دُعا مانگیں تاکہ زوجین میں اتفاق اور برکت حاصل ہو۔

اس وقت دولہا کو عموماً کلمہء توحید، کلمہء شہادت، کلمہء تمجید وصفتِ ایمان وغیرہ پڑھائے جاتے ہیں، جو نہایت مستحسن اور کسی حد تک ضروری بھی معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ ایک مسلم خاتون کا نکاح اگر دھوکے میں کسی غیر مسلم سے بھی ہو رہا ہو۔۔یا۔۔خدانخواستہ دولہا کی زبان سے بحیثیتِ مسلمان ہونے کے بھی غیر محسوس طور پر کبھی کلماتِ کفر نکل گئے ہوں جن پر اُس نے توجہ نہ کی ہو تو اِن کلمات کی برکت سے اور اقرارِ توحید و رسالت سے ایمان کی تجدید ہو جائے گی جو کسی طرح بھی ممنوع نہیں۔ عام مجالس میں دیکھا گیا ہے کہ بعض فیشن پرست اِن کلماتِ طیبات پڑھانے والے نکاح خوانوں کو بڑی ٹیڑھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ بعض جائز و ناجائز، بعض مسنون غیر مسنون، کی بحث بھی لے بیٹھتے ہیں جو نہایت بے محل اور لایعنی ہوتی ہے۔

ایک دفعہ ایک محفلِ نکاح میں اِس بات پر جھگڑا ہو گیا کہ خطبہء نکاح میں وہ آیت ہی نکاح خواں نہ پڑھے جس میں دو دو تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کرنے کا حکم ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ ان مسلمانوں کی ذہنیت کو کیا ہو گیا ہے جو قرآن کریم کو بھی اپنی نفسیات کے ماتحت رکھنا چاہتے ہیں۔ اللہ کریم ہدایت فرمائے۔ مجلسِ نکاح بحکمِ شریعت ایسی جگہ منعقد ہونی چاہیے جہاں سب کو معلوم ہو جائے کہ نکاح ہو گیا ہے، کیونکہ 'اعلانِ نکاح' ضروری چیز ہے اور سرکارِ دو عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے خفیہ نکاح کی ممانعت فرمائی ہے، اور بعض ائمہ دین تو اعلان کو 'شرائطِ نکاح' میں شامل فرماتے ہیں۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ مسلمان اعلان کے مسئلہ پر تو اِس زور شور سے عمل کرتے ہیں کہ محلّہ اور گاؤں والوں کی نیند بھی کئی کئی روز تک حرام ہو جاتی ہے، مگر ایجاب وقبول جس کو مذہب نے خاص اساسی واصولی درجہ عطا فرما رکھا ہے، واجب الاطاعت اماموں نے بھی نہایت پختگی سے عمل کا حکم دیا ہے، ان نام نہاد مسلمانوں نے پرستارِ رسوم ہو کر اس کو بھی محض ایک کھیل بنا لیا ہے، حالانکہ اسلامی مسئلہ تو یہ ہے کہ حق کے مقابلہ میں حجاب وخوف کو کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے، اور حق اُسی میں ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔۔۔کہ ایک انصاری عورت نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بعض نسوانی امور کے متعلق ضروری مسائل خود دریافت کر لیے، تو آپ نے اُس کی تعریف فرمائی۔ لیکن مسلمان کتاب وسنت

کو بھول گئے اور ایجاب وقبول کو بھی انہوں نے ایسی حیا کی چیز بنا دیا ہے کہ اس کے متعلق لڑکی کا زبان کھولنا انتہائی معیوب بلکہ ایک شرمناک امر سمجھا جاتا ہے، کیونکہ مستورات نے یہ مسئلہ خود گڑھ لیا ہے کہ کنواری لڑکیاں منہ سے نہیں بولا کرتیں، اُن کا تو زبان ہلانا بھی موجبِ شرم ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ والدین اولاد کے دشمن نہیں ہوتے لیکن اِس حقیقت سے کوئی شرعی حق زائل نہیں ہوسکتا۔ عہدِ نبوت اور خلافتِ راشدہ میں مسلمان دَرحقیقت ایک قدسیوں کی جماعت تھی لیکن وہ اپنے کسی ذاتی حق کو کسی حالت میں چھوڑنا گوارہ نہ کرتے تھے۔ بچہ بچہ اپنے حق کے لیے لڑتا اور مستورات تک اپنے مہر وغیرہ کی بڑائی پر تقاضا کرتیں۔

آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کے اندر 'طلبِ حقوق' کا ایک زبردست جذبہ پیدا فرمایا ہے اور واقعی حقیقت ہے کہ جس قوم میں اپنے حق کے لیے لڑنے کی ہمت باقی نہیں رہتی اور حق طلب کرتے ہوئے شرماتی ہے، وہ بہت جلد زوال وانحطاط کی گہرائیوں میں جا پڑتی ہے، اور دوسرے کو جرأت ہوجاتی ہے کہ وہ اُس کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کرلیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ لوگ اپنے شرعی حقوق بھول جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ شریعت نے کسی کا کیا حق مقرر کیا ہے۔ آج کتنے مسلمان ہیں جن کو یہ علم ہو کہ بیٹیوں اور بیٹوں کے حقوق والدین پر کیا ہیں، اور یہ کہ اولاد پر والدین کے اور شوہر پر عورت کے کتنے حقوق شریعت نے مقرر کیے ہیں۔ شریعتِ مطہرہ میں اگر لڑکی کو 'ایجاب' اور لڑکے کو 'قبول' کا حق دیا ہے تو اِسے اُس سے کوئی چھین نہیں سکتا اور نہ بے اثر بنا سکتا ہے، بلکہ یوں سمجھئے کہ یہ 'ایجاب وقبول' کو بے اثر بنانے ہی کا ثمرہ ہے کہ عورت اور مرد میں عمر بھر سچی محبت پیدا نہیں ہوتی۔ دیہاتوں میں اکثر اور شہروں میں کبھی کبھار یہ منظر دیکھنے میں آجاتا ہے کہ 'ایجاب وقبول' تو رہا دَرکنار، عورت کو ٹوکے اور چھریوں کلہاڑیوں سے مرعوب کر کے ہاں کرائی جاتی ہے اور اِس کو شرعی نکاح کا درجہ دیا جاتا ہے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ اگر یہ 'ایجاب' لڑکی کے لیے اِتنی ہی معیوب اور شرم کی چیز ہے تو ڈھولک بجانا، بلند آواز سے شادی کے ترانے گانا، مسخری کی حد سے بڑھی ہوئی ننگی بکواس کرنا، اور گندے سینمائی راگ الاپنا کہاں کی حیاداری ہے؟ اگر حقیقت پر غور کیا جائے تو شاذ ونادر ہی وہ مسلمان ہوں گے جن کے ہاں نکاح کے وقت 'ایجاب وقبول' اپنے صحیح رنگ اور اصلی مفہوم میں اَدا ہوتا ہوگا۔ بالعموم مارے باندھے نکاح ہوتے ہیں اور ناخوشی وجبر کا 'ایجاب وقبول' ہوتا ہے، سب سے نچلے طبقوں میں جب اپنائیت زور کرتی ہے تو عموماً دو بہنیں۔۔۔یا۔۔۔دو بھائی اپنی اولاد کا ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی نکاح کر دیتے ہیں اور اس کو اپنی حقیقی خوشی پر محمول کر کے 'ایجاب وقبول' کے ارشاد کی تعمیل بھی انہیں آپ ہی کرنی پڑتی ہے۔ اب اس

طرح جو نکاح ہوگا، اُس کی درستی وصحت کے بارے میں کہنے والے۔۔یا۔۔جوان ہو کر بھلا بُرا نباہنے والے جوڑے ہی جانتے ہوں گے کہ یہ عقد کس حد تک حقیقت کا ترجمان ہے۔

شرائطِ نکاح:

زوجین میں سے ہر ایک بذاتِ خود۔۔یا۔۔اُن کے وکیل ایک دوسرے کے کلام کو سن سکیں اور دو۲ آزاد عاقل بالغ مرد اور دو۲ عورتیں نکاح کے وقت بطور گواہ کے موجود ہوں جن کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔اور یہ بھی ضروری ہے کہ گواہ دیوانے بے ہوش اور مجنوں نہ ہوں۔اور دونوں گواہوں نے مل کر نکاح کے الفاظ سنے ہوں۔لڑکی نابالغہ ہو تو اُس کے ولی کا موجود ہونا۔۔یا۔۔کم از کم اُس کی اجازت ہونا ضروری ہے۔ہاں! بالغہ عورت کے نکاح کے لیے ولی کی اجازت شرط نہیں کیونکہ حضرت سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بالغہ عورت خود مختار ہے وہ جس سے چاہے عقد کرسکتی ہے، اور اُس پر اِس معاملہ میں والدین ۔۔یا۔۔دیگر ولیوں کا کچھ اختیار نہیں۔اگر وہ لڑکی کی مرضی کے بغیر جبراً نکاح کر بھی دیں تو وہ نکاح شرعاً درست نہیں بلکہ ایسی نابالغہ کو بھی جس کا نکاح ولیوں نے کیا ہو، یہ اختیار ہے کہ وہ بصورتِ ناپسندیدگی بالغ ہو کر اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔اور حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک عورت کو اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں اور بغیر ولی۔۔یا۔۔اس کی اجازت کے نکاح ناجائز ہوتا ہے، لیکن مسلمانوں کی اکثریت حضرت سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے کو قرینِ ثواب سمجھتی ہے، اِس کے لیے درمیانی اور سیدھی راہ یہی ہے۔

خیارِ بلوغ:

قرآنِ کریم میں اگرچہ یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ عورت کے نکاح میں اُس کے اولیاء کی رائے کا بھی دخل ہونا چاہیے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے اِس قاعدہ کی جو تعبیر فرمائی ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء کی رائے کا دخل ہونے کے معنے یہ نہیں کہ عورت اپنی زندگی کے اِس اہم معاملہ میں بے اختیار ہے، بخلاف اس کے حضور علیہ السلام نے ایجاباً عورت کو یہ حق دیا ہے کہ نکاح کے معاملہ میں اُس کی رضامندی حاصل کی جائے، چنانچہ ابوداؤ د ونسائی، ابن ماجہ اور مسند امام احمد میں، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث منقول ہے کہ ایک لڑکی نے حضور علیہ السلام سے شکایت کی کہ میرے باپ نے میری مرضی کے خلاف میری شادی کردی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔کہ تجھ کو رَد وقبول کا اختیار ہے۔ایسے ہی نسائی میں حنا بنت خدام رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ اُن کے باپ نے اُن کا نکاح اُن کی مرضی کے خلاف کردیا تھا، حضور علیہ السلام نے اُن کو بھی یہی اختیار دیا۔

دار قطنی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ ایسے ہی ایک مقدمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے محض اِس بنا پر زوجین میں تفریق کرادی کہ نکاح لڑکی کی مرضی کے خلاف ہوا تھا۔

نسائی میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک لڑکی نے حضور علیہ السلام سے شکایت کی کہ اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف اپنے بھتیجے سے اس کا نکاح کر دیا ہے، تو آنحضرت ﷺ نے اس کو اختیار دیا کہ چاہے قبول کرے۔۔یا۔۔رد کردے، پھر اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے باپ نے جو کچھ کیا اُسے منظور کرلیا، میرا مقصد تو عورتوں کو صرف یہ بتانا تھا کہ اُن کے باپ اِس معاملہ میں کلیۃً مختار نہیں۔ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور موطا میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد موجود ہے کہ بن بیاہی عورت اپنے ولی سے بڑھ کر اپنے نفس کے معاملہ میں فیصلہ کرنے کا حق رکھتی ہے، اور باکرہ سے اُس کے نفس کے معاملہ میں اِذن لیا جائے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔۔شوہر دیدہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اُس کا اِذن حاصل نہ ہو۔ یہ تمام روایات اِس بات پر شاہد ہیں اور دلالت کرتی ہیں کہ اصولِ شرع میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ نکاح کے معاملہ میں عورت کی رضامندی نہایت ضروری ہے۔

نسبت۔۔یا۔۔منگنی:

یہاں پر یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ بعض لوگ نکاح سے پہلے رشتہ ناطہ کی ابتدا کرتے ہیں اور بصورتِ سائل کسی عزیز کے ہاں رشتہ لینے جاتے ہیں اور لڑکی والے بھی اُن کی دلجوئی کے لیے کچھ ہاں ہوں کر لیتے ہیں اور بعض اوقات کپڑے اور زیور بھی لڑکے والوں کی طرف سے پہنا دیے جاتے ہیں، غیر مناسب نہیں سمجھتے، تو عرفِ عام میں لوگ اِس ابتدائی سلسلہ کو مختلف نام، منگنی، نسبت، کڑمائی، منگوا اور شرع جواب وغیرہ، دے کر اپنی خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے قریبیوں، رشتے داروں، ہمسایوں اور ادھیوں سمدھیوں وغیرہ میں کچھ مٹھائی، پتاشے۔۔یا۔۔گڑ تقسیم کر دیتے ہیں جو اُن کے رشتہ مانگنے اور اپنی طلب میں کامیابی کا اظہار ہوتا ہے۔ پہلے نسبت کرتے ہیں، پھر اس کے بعد ہمیشہ تہواروں تقریبوں پر لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی والوں کو لڑکی کے حصے کی اشیاء اور ہر بار نئے پارچات پہنچائے جاتے ہیں جس کا نتیجہ بعض اوقات نہایت بُرا نکلتا ہے، کیونکہ آنے والے وقت اور حالات کا پتا نہیں ہوتا کہ جب شادی کا وقت آئے گا، فریقین کی حالت کیا ہوگی، غریب ہوں گے۔۔یا۔۔امیر، لڑکا لڑکی نیک رہیں گے ۔۔یا۔۔ان کے چال چلن خراب ہو جائیں گے۔ خدانخواستہ ایسی صورت پیدا ہوگئی تو دیا دلایا رائیگاں جائے گا، رشتہ فسخ، مقدمے بازی تک نوبت، برادری کے بڑے بوڑھوں سے جوڑ توڑ کی تمنا، اعزہ و اقارب کی جانبداری کا تقاضا، دو لڑکے والوں کے مخالف ہیں تو چار لڑکی والوں کی بُرائی کرتے ہیں، لاٹھیاں چلتی ہیں،

سر پھٹول ہوتی ہے اور سمدھیاں کے بے معنی چاؤ چونچلے اور بے وقت مسرتوں کا نشہ اُترنے لگتا ہے۔
منگنی وغیرہ تو ایک عام اور سادہ سی بات تھی، لیکن اس کو بھی مسلمانوں کے تکلفات نے ایک نہایت اہم رسم بنا دیا ہے جس کی ابتدا کرنے کے بعد سے دلہن کو گھر لے آنے تک رواجی اشیاء کی دادو دست سے نجات ہی نہیں ہوتی۔ حالانکہ شریعت میں اِن بے جا مصارف کی کوئی اصلیت نہیں۔ باقی رہا 'شرع جواب' کا مفہوم، سو وہ بعض علاقوں میں اتنی سخت گیر حیثیت رکھتا ہے کہ نکاح بھی اس کے سامنے ہیچ ہے۔ یہ نہ سادہ منگنی، نہ نسبت اور نہ مستقل نکاح، بلکہ ایک بے جوڑ سا خود تراشیدہ گھریلو مسئلہ ہے جسے نہ منگنی کہہ سکتے ہیں نہ پختہ نکاح، کیونکہ اس میں بغیر خطبہ کے 'ایجاب وقبول' ہوتا ہے جو فریقین خود ہی کر لیتے ہیں اور اس میں کسی نکاح خواں کی حاجت نہیں سمجھتے، گویا منگنی کے بعد یہ ایک رشتہ کی پختگی کے لیے دوسری منزل ہوتی ہے۔ یعنی چند آدمی دولہا کی طرف سے اور چند دلہن کی طرف سے اکٹھے بیٹھ جاتے ہیں، رشتہ لینے کا حتمی اقرار کرتے ہیں، پھر لڑکے سے پوچھتے ہیں کہ تو نے فلاں فلانے کی لڑکی قبول کی، وہ کہتا ہے قبول کی، پھر کچھ نقد خرچ کیا جاتا ہے جس کو عرفِ عام میں 'لاگ' کہتے ہیں اور دولہا کے وارثوں کی جانب سے وہاں ہی کچھ کھانا بھی پکایا جاتا ہے اور وہ دعوت کھا کھلا کر دولہا اور اس کے ساتھی بغیر دلہن لیے کے واپس ہو جاتے ہیں، پھر تیسری بار دلہن لانے کی تاریخ معین ہوتی ہے، اُس تاریخ پر نکاح خواں خطبہ وغیرہ پڑھتا ہے، پھر دلہن کی روانگی ہوتی ہے۔ اِس 'شرع جواب' کے طریق پر رشتہ بندی کے ابتدائی مراحل طے کیے ہوئے اتنی اہمیت رکھتے ہیں کہ اُس تاریخ پر کیا ہوا، رشتہ خدانخواستہ اگر کسی وجہ سے انجام کو نہ بھی پہنچے اور دلہن کی روانگی سے قبل ہی فسخ ہو جائے تو اُس کی حیثیت ایک منکوحہ عورت کے چھن جانے سے کم نہیں سمجھی جاتی اور بغیر طلاق حاصل کیے کے لڑکی کا رشتہ دوسری جگہ ہو ہی نہیں سکتا۔ حالانکہ یہ ایک خلاف شریعت رسم ہے جس کی حیثیت منگنی سے زیادہ نہ ہونی چاہیے تھی۔ اور اگر یہ صورت رشتہ کی شکست کے خوف سے بنائی جاتی ہے تو پورا نکاح ہونا چاہیے۔ نہ نکاح خواں کے ذریعہ 'ایجاب وقبول' کرانا اور نہ خطبہ پڑھوانا کچھ نیت کے فتور اور رشتہ کی خامی کا بھی اظہار کرتا ہے، اور یہ طریق صرف نسبت کی حیثیت کا حامل ہے، تو پھر شکستِ رشتہ پر طلاق کا لینا دینا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ خدا کا شکر ہے کہ بعض اہل علم نے اس مسئلہ کی اصلاح پر توجہ دی ہے تا کہ ایسی لغویات و بدعات کا قلع قمع کیا جا سکے۔

مہر:

مہر کے مسئلہ میں یہ امر مسلم ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور بانیٔ اسلام نبی انام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون میں اس کے لیے کوئی آخر حد مقرر و معین نہیں فرمائی گئی۔ ایک مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں

اس کے لیے چالیس [۴۰] اوقیہ کی انتہائی حد مقرر کرنا چاہی تھی مگر ایک عورت نے اس کو ٹوک کر کہا۔۔۔ واتیتم احداھن قنطارا فلا تاخذوا منه شیئا ۔۔۔کی رو سے آپ کو ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اِس دلیل کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔۔۔امراۃ اصابت و رجل اخطا۔ پس جہاں تک مہر کی حد معین کرنے کا تعلق ہے، قانون الٰہی میں اِس کے لیے کوئی گنجائش نہیں، لیکن احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مہر کی زیادتی میں مبالغہ کرنا اور مرد کی قوتِ برداشت اور حیثیت سے زیادہ مہر باندھنا ناپسندیدہ فعل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عورتوں کو مردوں کے پلے باندھنے کی کوشش کرو اور مہروں میں حد سے نہ بڑھو۔

حضرت ابو عمر الاسلمی نے ایک عورت سے دوسو [۲۰۰] درہم مہر پر نکاح کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر تم کوندی نالوں میں درہم بہتے ہوئے ملتے تب بھی شاید تم اِس سے زیادہ مہر نہ باندھتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے چار [۴] درہم اوقیہ ساٹھ درہم پر نکاح کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ کانما تخرجون الفضة من عرض ھٰذا الجبل۔ گویا تم اس پہاڑ میں سے چاندی کھود کھود کر نکال رہے ہو۔

سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ عورت کا مہر مقرر کرنے میں حد سے نہ بڑھو۔ اگر یہ دُنیا میں کوئی قابلِ عزت اور آخرت میں تقویٰ کی بات ہوتی تو تم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اختیار فرماتے۔ مگر آپ کی ازواج اور صاحبزادیوں میں سے تو کسی کا مہر بارہ [۱۲] اوقیہ سے زیادہ نہ تھا سوائے ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے، جن کا مہر ایک فرمانروائے وقت نجاشی نے اَدا کیا۔

یہ قصہ تو محض زیادتی مہر کے متعلق تھا، لیکن ہمارے ملک میں ایک اور بھی رواج عام ہو گیا ہے جو اِس سے بھی زیادہ قبیح اور خطرناک ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہاں ہزاروں بلکہ لاکھوں روپیہ کی دستاویزات بطور 'مہر موجل' کے لکھ دی جاتی ہیں جن کی اَدائیگی نہ لکھنے والوں کی قدرت میں ہوتی ہے اور نہ لکھتے وقت وہ اِس نیت سے لکھتے ہیں کہ ان کو کبھی اَدا بھی کرنا ہے۔ اور یہ چیز کراہت کی حد سے گزر کر خود نفسِ نکاح کے لیے موجبِ فساد ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتصریح فرمایا ہے۔۔۔ کہ جس نے ایک مہر کے عوض کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت رکھی کہ وہ اِس قرض کو اَدا کرنے کی غرض سے نہیں لے رہا ہے، وہ دَر اصل چور ہے۔

یہ تو اِس قسم کے مہروں کی باطنی قباحت ہے، ظاہری قباحت اِس سے زیادہ تباہ کن ہے، کیونکہ اس قسم کے مہر باندھنے کا حقیقی مقصد یہ ہوا کرتا ہے کہ شوہر زیادہ مہر کی اَدائیگی کے خوف سے طلاق نہ دے سکے۔ لیکن اِس کا نتیجہ اُلٹا نکلتا ہے کہ اگر خدانخواستہ میاں بیوی میں ناموافقت ہو جائے اور دونوں مل کر

نہ رہ سکیں تو بھی زیادہ مہر عورت کے لیے بلائے جان ہوتی ہے، کیونکہ شوہر محض مہر کی نالش (مقدمہ) کے خوف سے اُس کو طلاق نہیں دیتا، اور سالہا سال بلکہ عمر بھر کے لیے غریب معلق پڑی رہتی ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آج کل جن چیزوں نے عام طور پر عورتوں کو مبتلائے آلام ومصائب کر رکھا ہے، اُن میں سے ایک اہم چیز مہر کی زیادتی ہے۔ اگر اِس میں اعتدال برتا جائے تو قریب قریب پچھتر ۷۵ فی صدی مشکلات رونما ہونے سے پہلے ہی حل ہو جائیں۔

ہمارے نزدیک اِس کی اصلاح کے لیے اصولِ شرع شریف کی خلاف ورزی سے بچتے ہوئے یہ صورت اختیار کر لینا نہایت مستحسن ہے کہ مہر جس قدر بھی معین کیا جائے، اُس کی اَدائیگی بر وقتِ نکاح لازم قرار دی جائے۔ جب اس کی اَدائیگی ہر صورت میں واجب و لازم ہے، تو مقدمہ بازی تک نوبت پہنچانے اور نالشوں سے مہر وصول کرنے کا انتظام ہی کیوں کیا جائے۔ اِس صورت سے تین ۳ فائدے ہوں گے: ایک یہ کہ بصورتِ ناسازش عورت کو علیحدہ کر دینے میں مرد کے لیے کوئی چیز حائل نہ ہوگی۔ دوسرے یہ کہ عورت غیر معین مدت تک معلق ہو کر مصیبتیں سہنے سے بچ جائے گی اور بغیر کسی دشواری کے دوسری راہ اختیار کر سکے گی، کیونکہ ہمارے ہاں جس قدر عورتیں بدسلوک خاوندوں سے نجات حاصل کرنے کے مقدمات عدالتوں میں لے جاتی ہیں، اُن میں پچھتر ۷۵ فیصدی وہی ہوتے ہیں جن میں مہر کی اَدائیگی خاوند کے لیے سوہانِ روح بنی ہوتی ہے۔ وہ اگر اَدا نہیں کرنا چاہتا یا اَدا نہیں کر سکتا تو کبھی طلاق کے عوض مہر کی معافی کا مطالبہ کرتا اور کبھی شادی پر لیے دیئے گئے سامان و زیورات کی واپسی کی آڑ لیتا ہے۔ تیسرے یہ کہ بر وقتِ نکاح مہر کی اَدائیگی اُس فتنہ کا سدِ باب بھی کر دے گی جو آئے دن مہر کی تعداد کے بڑھاؤ میں معین و مددگار ثابت ہو رہا ہے۔ دستاویزات کی ضرورت ہوگی نہ کچہریوں کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ اور اِس قسم کا طریق اختیار کرنے سے 'مہر موجل' کی تحریرات کا یہ سرتاپا عیوب ونقائص سے بھرا ہوا طیرہ بآسانی مسدود ہو جائے گا۔ اس وقت لوگ مجبور ہوں گے کہ اپنی استطاعت کے مطابق مہر مقرر کریں اور فضولیات میں روپیہ خرچ کرنے کی بجائے نقد۔۔یا۔۔مال۔۔یا۔۔جائداد کی صورت میں نکاح کے وقت ہی مہر اَدا کریں۔

اہلسنت و جماعت کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس ۱۰ درہم ہے اور زیادہ کی کوئی مقدار مقرر نہیں۔ میاں بیوی۔۔یا۔۔ان کے ولی جتنا چاہیں مقرر کر لیں۔ اگر دس ۱۰ درہم سے باندھا جائے تو اَدائیگی کے وقت دس ۱۰ ہی درہم ہوں گے۔ مرد کو یہ بھی اختیار ہے کہ مہر کی مقرر کردہ مقدار سے زائد روپیہ عورت کو دے دے، اور اِسی طرح عورت کو بھی حق حاصل ہے کہ مقرر کردہ کل مہر۔۔یا۔۔مقرر کا کچھ حصہ اپنے شوہر کو معاف کر دے۔

رسمِ جہیز:

لڑکی کو حسب حیثیت بوقتِ نکاح کچھ زیورات، پارچات اور ضرورت کی ضروری خانگی اشیاء دے کر رخصت کرنا 'جہیز' کہلاتا ہے۔ جہیز کا وجود اسلام میں موجود ہے، مگر اس طرح دینا جو رائج الوقت ہے ایک ہندوانہ رسم ہے، ہرگز نکاح کا جز و نہیں۔ اسلام جہیز کی نہ کوئی مقدار بیان فرماتا ہے اور نہ اس کو فرضیت کا درجہ دے کر پابند بناتا ہے۔ میسر ہو تو دیجیے، میسر نہ ہو تو اِس سے نکاح میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں کی صحبت نے اِس بات میں بھی مسلمانوں کو بُری طرح متاثر کیا ہے۔ حالانکہ اُن کی حالت مسلمانوں سے بالکل مختلف تھی، اُن کے ہاں شاستر کی رُو سے لڑکیوں کو ترکہ و میراث سے کچھ حق نہ ملتا تھا۔ اِس لیے ہندو بزرگوں نے اَزراہِ محبت و شفقت 'کنیا دان' کے طور پر وداع کے وقت اپنی لڑکیوں کو جتنا ہو سکا دے دینے کی ایک رسم قائم کردی، کسی سے زیادہ ہو سکا زیادہ دے دیا، ورنہ کم اَز کم سات [۷] برتن، سات [۷] جوڑے، پلنگ پیڑا، چرخہ، تین [۳] بستر، توا، کڑاہی، چھتا بچتا زیور شادی کا پُر تکلف جوڑا اور رائج الوقت سنگار کی اشیاء اور مناسب نقدی کی صورت میں سفرخرچ وغیرہ اور رخصتی کردی۔ اِس کے یہی دو [۲] سبب تھے کہ ایک تو مذہباً لڑکی کسی چیز کی مستحق نہیں ہوتی مگر اولاد کی حیثیت میں بھرے گھر سے محروم نکالنا اور خالی دھکا دینا بھی ماں کی مامتا اور باپ کی پدرانہ شفقت کے خلاف تھا۔ اس لیے مجبوراً کچھ نہ کچھ کنیا دان کرنا پڑتا تھا۔

دوسرا یہ کہ ہندو لوگ خود چونکہ دُور دَراز رشتے کرنے کی وجہ سے لڑکے لڑکی کو دیکھ کر اور اُن کے حسن و قبح، امارت، غیرت، صحت و بیماری کا جائزہ لے کر رشتہ کرنے سے مجبور تھے، اِس لیے رشتہ وغیرہ تلاش کرنے کرانے کی یہ خدمت عموماً برہمن حجام اور میراثی انجام دیتے تھے۔ لہٰذا جہاں برہمن نے ہاں کردی، رشتہ ہو گیا۔ اب شادی کے بعد یہ راز کھلے گا کہ دولہا جی مہاراج کس حیثیت اور کن اوصاف کے انسان ہیں اور بصورتِ دیگر بی بی دلہن کس جوہر کی مالک اور کن لکھ پتی سیٹھوں کی سپتری ہیں، شادی سے پہلے لڑکے لڑکی والوں کے لیے یہ ایک مقام گومگو ہوتا ہے کہ اُن کے سمدھی کیا ہیں اور وہ جو چراغ خانہ دلہن بیاہ کر لائیں گے، کن نسوانی اوصاف کی حامل ہوگی ۔۔یا۔۔ وہ جہاں لڑکی کا رشتہ کر رہے ہیں اُن کی حیثیت کیا ہے، اخلاق کیا ہے، لڑکا تندرست ہے ۔۔یا۔۔ نہیں، خوبصورت ہے ۔۔یا۔۔ بدصورت، اُن کے ہاں دو [۲] وقت چولہا بھی گرم ہوتا ہے ۔۔یا۔۔ نہیں، گھر میں بود و باش کیسی ہے وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا ضرورت ہوگی کہ اگر دولہا مفلوک الحال غریب اور بالکل کم حیثیت بھی ہو اور اس کے ہاں رہن سہن کے لیے گھر کا سامان بھی ہو ۔۔یا۔۔ نہ ہو، کم اَز کم یہ دلہن وہاں جا کر اپنا گھر بنا کر بیٹھ جائے اور اس کو ضروریاتِ خانگی میں تکلیف

نہ ہو۔ بدیں وجہ ہندوؤں نے یہ دستور بنا کر ایک بڑی مہم سے سبکدوشی حاصل کر لی اور جہیز کی رسم سے آنے والے مصائب کا سد باب کیا۔ لیکن آگے چل کر اُن کے لیے بھی یہ رسم باعثِ مصیبت بن گئی اور ہر امیر وغریب رواج کی الجھنوں میں پھنس کر کنیا دان کے لیے مجبور ہو گیا اور اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دُنیا کی مختلف اقوام میں دختر کشی کی رسم قائم ہوئی تھی اور لڑکیوں سے تنفر برتا جانے لگا تھا۔ اس کی اہم وجہ یہ بھی تھی کہ لڑکی پر ہمیشہ والدین کو خرچ کرنا پڑتا تھا اور اس کی وجہ سے غیروں کے سامنے دینا پڑتا تھا۔ بنگال اور سندھ میں تو ہزاروں ہندو لڑکیاں اِس رسمِ جہیز کی نذر ہو چکی تھیں اور ہوتی رہتی ہیں۔ کسی ضرورت مند کو جس لڑکی کے ساتھ جہیز ملنے کی امید نہیں ہوتی اس کی شادی مشکل نہیں بلکہ غیر ممکن ہو جاتی ہے۔

اب مسلمانوں میں بھی یہی حالت ہے اور اپنی گرانباریوں کے باعث مسلمان بھی لڑکیوں کی پیدائش پر اُس خوشی کا اظہار نہیں کرتے جو ان کو لڑکے کی پیدائش پر ہوتی ہے۔ اور بعض گھرانوں میں تو دیکھا گیا ہے جہاں کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی صفِ ماتم بچھ گئی، منہ بسور لیے گئے، رنج کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، اپنے پرائے تسلیاں دینے کو آ رہے ہیں، پڑوسی افسوس کا اظہار کر رہے ہیں، نہ کسی کے چہرے پر ہنسی ہے نہ خوشی۔ عالیشان گھر جو ہزاروں خوشیوں کا چشمہ اور بے شمار نعمتوں کا نعمت کدہ ہوتا ہے، آناً فاناً ماتم خانہ نظر آنے لگتا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کی حالت ہندوؤں اور دوسری قوموں سے مختلف ہے، اِن کے ہاں سرکارِ انبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کا اُسوۂ حسنہ موجود ہے، ان کی بیٹیاں، بہنیں، بیویاں، مائیں سب کے سب اپنے اپنے مقام پر اپنے متعلقین مردوں کے ساتھ وراثت میں شریک ہیں۔ بیٹی باپ سے ۲/۳ کی وارث ہے، تو بھائی کے ساتھ مالک ہے۔ اگر خاوند کے ہاں بیوی کی حیثیت میں اولاد والی ہے تو خاوند کی جائداد میں سے ۸/۱ کی مالک ہے اور اگر بے اولاد ہے تو ۴/۱ کا استحقاق رکھتی ہے۔ اور اگر اولاد کے ترکہ میں شامل ہے تو بحیثیت ماں کے بیٹے کی جائداد میں سے ۶/۱ حصہ لے سکتی ہے، پھر یہ سب کی سب مہر کی الگ مستحق ہیں، جو اِن کی شرافت وحیثیت کا ایک وہ نشان ہے جس کے مقابلہ میں دوسری قوم کی کوئی عورت اِن کی عصمت وعظمت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ کنیا دان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ غیر اقوام کی طرح ان کو شادی کے موقع پر کچھ دینا 'اخلاقی فرض' کی حیثیت رکھتا ہے۔ البتہ حسبِ حیثیت اَز راہِ محبت وشفقت دیا جا سکتا ہے، لیکن نہ اتنا کہ لڑکی اور بہن کے جہیز کا اہتمام اپنی جان کے لیے ایک گونہ مصیبت بن جائے۔ سرکارِ انبیاء ﷺ کی سنت کا نقشہ موجود ہوتے ہوئے مسلمان کے لیے یہ اللے تللے جو اِن کی شادیوں کا جزو لاینفک بن گئے ہیں، کہاں تک شانِ اسلامی کا اظہار کرتے ہیں؟

کیا حضرت خاتون جنت سیدۃ النساء جگر گوشۂ رسول اللہ ﷺ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا عقد وجہیز

آج بھی مسلمانوں کے لیے ایک نمونہ عمل نہیں ہے، جب کہ بڑے بڑے رتبہ وثروت کے بزرگ سرکار دوعالم ﷺ کی شرفِ دامادی سے مشرف ہونے کی آرزو رکھتے تھے۔ مگر آپ نے سیدہ کی شادی کی تو حضرت شیرِ خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جو مرتبۂ علم واخلاق میں تو نہایت بلند تھے، مگر مالی حالت ایک عام مزدور مسلمان سے ہرگز بہتر نہ تھی۔ تھوڑی سی قیمت کی ایک زرہ، ایک بھیڑ کی کھال، اور ایک مستعملہ یمنی چادر، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کُل سرمایۂ حیات تھا، جو انہوں نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی مہر میں آنحضرت ﷺ کے حوالے کردیا۔ آنحضرت ﷺ نے پہلے اپنی صاحبزادی کی مرضی دریافت فرمائی، اُس کے بعد خود ہی نکاح پڑھا کر تھوڑی سی کھجوریں تقسیم فرمادیں اور بیٹی کو وداع کیا، اور شہنشاہِ دوعالم ﷺ نے عزیز ترین بیٹی کو جو جہیز دیا، وہ ایک جوڑا کپڑے، ایک چادر، ایک بالوں کی بنی ہوئی چارپائی، ایک چمڑے کا گدا جس کے اندر کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے، ایک چھاگل پانی والی، ایک مشک اور چکی اور دو مٹی کے گھڑے تھے۔

اس سے یہ اندازہ لگانا فاش غلطی ہوگی کہ حضور ﷺ اِس سے زیادہ اور کچھ صاحبزادی رضی اللہ عنہا کو نہ دے سکتے تھے بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ہر کام تعلیمِ امت کے لیے تھا، لہٰذا حضور ﷺ نے وہ دیا جو ہر اَدنیٰ سے اَدنیٰ مسلمان بھی اپنی پیاری بیٹی کو دے سکتا ہے۔ اگر حضور ﷺ اس مسئلہ میں تکلفات سے کام لے کر صاحبزادی کو بہت زیادہ جہیز عطا فرمادیتے تو وہ ساری امت اور امت کے ہر امیر وغریب کے لیے سنتِ موکدہ بن جاتا جس کو کوئی اَدا کرکے ثواب پاتا اور کوئی محروم رہ کر نافرمان بنتا۔ ہمارا ایمان ہے کہ سرورِ دوعالم ﷺ چاہتے تو جنت کی نعمتیں بھی حضرت سیدہ کے جہیز میں دے سکتے تھے، مگر امت سے وہ سنت کون اَدا کرتا، اس لیے سرکار نے ایسا نہیں کیا اور دُنیا میں اعتدال کی بھی تو سنت فرمادی جس کو عمل میں لانا ایک غریب سے غریب مسلمان بھی بوجھ نہیں سمجھ سکتا۔ بلکہ یوں کہہ دینا بیجا نہ ہوگا کہ جب سے مسلمانوں نے لڑکیاں بیاہنی شروع کی ہیں شاید ہی کوئی لڑکی ایسی ہو جس کو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سا جہیز ملا ہو، ورنہ وہ ہر زمانہ میں کچھ زیادہ ہی پاتی رہی ہیں۔

ارتداد احد الزوجین (میاں بیوی میں سے کسی ایک کا مرتد ہوجانا):

انگریز کے دَورِ حکومت میں ارتداد کے مسئلہ نے وہ خاص اہمیت اختیار کرلی تھی کہ توبہ بھلی، ہر وہ عورت جو خاوند کے ظلم وضرر کی بہت سی حالتوں میں رائج الوقت قانون کے ماتحت اپنی نجات۔۔یا۔۔ دادرسی کی کوئی صورت نہ پاسکتی تھی، اپنے واسطے چارہ کار یہی سمجھتی کہ اسلام کے دائرہ سے نکل کر کفر کے دامن میں پناہ۔ لے جاہل خاوند سخت سے سخت مظالم کرتا ہے، مگر بیوی اُس سے صلح نہیں کرسکتی۔ شوہر نا کارہ

ہے، مجنوں ہے، خطرناک ۔۔یا۔۔قابل نفرت مرض میں مبتلا ہے بیوی اُس کے نام تک سے نفرت کرتی ہے، باہمی تعلقات منقطع ہیں، مگر بند نکاح سے آزادی کی کوئی سبیل نہیں ۔اور اِسی قسم کے بے شمار مصائب تھے جو عورتوں کوارتداد پر مجبور کر کے کفر کے دروازہ پر جا کھڑا کرتے تھے،اور شاید پانچ ہزار بھی ایسی عورتیں نہ ملیں گی جو اسلامی تعلیم وقانون کو اپنے علم و تحقیق کی روشنی میں صنفِ نازک کے لیے صحیح طور سخت گیر اور بوجھل جان کر اُس خدائی دین سے نکلیں اور گرجوں ۔۔یا۔۔آریہ سماجوں میں پناہ لیں اور وہ یہ ثابت بھی کرسکیں کہ اُن کے عقیدہ میں اِن وجوہات کی بناء پر فی الواقع تغیر ہوا ہے۔ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ جہاں تک اللہ کریم جَلّ جَلالُہٗ اور رسول کریم ﷺ کے منصوص احکام کا تعلق ہے، اُن میں قطعاً کوئی ایسی تنگی نہیں جو کسی عورت کے لیے موجبِ ضرر ۔۔یا۔۔موجبِ ارتداد ہوسکے۔

پھر دیکھنا یہ ہے کہ اُن قسمت کی ماری ہوئی عورتوں کو جو چیز مرتد ہوجانے پر آمادہ کر دیتی رہی ہے، وہ کیا ہے؟، ہم جب اِس سوال کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ہیں تو اِس کے دو۲ سبب نظر آتے ہیں: ایک تو یہ جو مختصر الفاظ میں ہیں خاوند کی نسبت ہم نے اوپر ذکر کر دیا ہے، اور دوسرا اُن کا فتورِ نیت جس کو بھانپ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہمیشہ خاوند بھی ظالم وجاہل نہیں ہوتا۔کبھی یہ حوّا کی بیٹیاں بھی اپنی بدنیت سے شریف اور غریب خاوند کو دھتکار کر گرجوں اور مندروں میں چھلانگ لگا سکتی ہیں اور اُن کے مرتد بننے میں علم وعمل اور تحقیق وتدقیق کی جلوہ فرمائی کام نہیں کرتی بلکہ دوسرے بت کا حسنِ بے پناہ بھی اُن کو شغفِ قلب کا ٹیکہ کر کے اپنی بغل کی رونق بنانے کو ارتداد کے میدان میں کھینچ سکتا ہے، اور انگریز کے وقت کا مسئلۂ ارتداد تو جہاں تک تحقیق کیا گیا ہے، صرف اُس آخری صورت کا ہی حامل تھا، جس کے دو۲ فائدے ہوتے تھے: اوّل یہ کہ عورت من بھئی کر کے اور بھولے بھالے شریف خاوند سے مرتد ہونے کے رعب میں خلاصی کرا کے کسی ہمراز کی زینتِ خانہ بن جاتی۔دوسرا یہ کہ پادری صاحب اپنی تبلیغی سرگرمیوں کی خدمت میں اتنی نام نہاد مرتدہ نام (جو درحقیقت اپنی کسی باطنی خباثت کو لیے ہوئے بپتسمہ لے رہی ہوتی تھی) رجسٹر میں درج کر کے یہ ثابت کرسکتے کہ ہم نے توحید پرستوں سے اتنے اشخاص کو اپنی تثلیث پرستی کی روشنی دکھا کر گرجے میں کھینچا اور عیسائیوں کی تعداد میں اضافہ کیا ہے، ورنہ یہ عورت مرتدہ تو کیا گرجوں کے بڑے بڑے گھاگ (تجربہ کار) اور کہنہ مشق پادری بھی آج تک کسی ایک سچے مسلمان کو عیسائی نہیں بنا سکے، باوجود اس کے کہ اُن کی پشت پر حکومت کا خزانہ بھی اپنی ضربِ چہرہ شاہی کا مظاہرہ کرتا تھا۔

اِس مسئلہ میں جہاں تک مرد کے ارتداد کا تعلق ہے، اُس میں کوئی پیچیدگی نہیں، کیونکہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ مسلمان عورت کسی غیر مسلم مرد کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔لیکن پیچیدگی صرف عورت کے

معاملہ میں پیدا ہوگئی ہے، کیونکہ بکثرت عورتیں صرف اِسی غرض کے لیے مرتدہ ہوگئی ہیں۔۔یا۔۔ہورہی ہیں کہ انہیں ناموافق اور بُرے خاوندوں سے رستگاری (رہائی، نجات) حاصل ہو، چنانچہ انگریزی عدالتیں بھی اِس ظاہر الروایت کی آڑ لے کر کھلے بندوں عورتوں پر ارتداد کی مہربانی فرماتی رہیں، جو ہدایہ وغیرہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، یعنی۔۔۔اذا ارتد احد الزوجین وقعت الفرقۃ بغیر طلاق۔ جب مرد عورت میں سے کوئی ایک مرتد ہوجائے تو بغیر طلاق کے فرقت واقع ہوجاتی ہے۔۔۔جس سے مراد یہ ہے کہ وہ عورت اپنے مسلمان شوہر پر حرام ہوجاتی ہے مگر اُس وقت اِس کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ نکاحِ ثانی کرسکے۔متاخرین علمائے اسلام نے اِس قسم کی رَوکو، روکنے کے لیے مشائخین بلخ وسمرقند اور بعض مشائخین بخارا کے فتوے پر عمل کرانا چاہا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مرتد ہونے یعنی اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب تبدیل کرلینے سے عورت کا نکاح فسخ نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنے مسلمان شوہر کے نکاح میں بدستور رہتی ہے۔اور اِس فتویٰ کی بنا اِس امر پر ہے کہ ایسی عورت چونکہ محض بندِ نکاح سے رہائی حاصل کرنے کے لیے مرتدہ بن جاتی ہے، اس لیے اِس حیلہ کو روکنے کی یہی صورت ہوسکتی ہے کہ نفسِ نکاح پر اُس کے ارتداد کا کوئی اثر نہ تسلیم کیا جائے۔

چنانچہ اپنے وقت کے مجددِ اعلیٰ حضرت الحاج مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ بریلوی اپنے فتاویٰ رضویہ جلد اوّل میں ارقام فرماتے ہیں کہ جو عورت بغرض حسن فسخ نکاح مرتدہ ہوجاتی ہے، اُس کا نکاح نہیں ٹوٹتا اور نہ وہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے۔ایسے ہی دیگر علمائے کرام اسلام نے بھی فتویٰ دے رکھا ہے اور فرمایا ہے کہ عورت نے زبان سے کلمۂ کفر جاری کیا تاکہ شوہر سے پیچھا چھوٹے ۔۔یا۔۔اس لیے کہ دوسرا نکاح ہوگا تو اس کا مہر بھی وصول کرے گی، تو ہر قاضی کو اختیار ہے کہ کم اَز کم مہر پر اُس کا اِسی شوہر کے ساتھ نکاح کردے۔عورت کو اختیار نہ ہوگا کہ کسی دوسرے سے نکاح کرے۔چونکہ اس مختصر کتابچہ میں مزید بحث کی گنجائش نہیں، لہٰذا ضروریاتِ وقت کے ماتحت عوام الناس کو کتب فقہ۔۔یا۔۔ علمائے کرام کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

خاتونِ اسلام سے خطاب:

تاریخ مکمل شاہد ہے کہ جب کبھی نوعِ انسانی مرورِ زمانہ سے نکبت واِدبار (غربت وافلاس) کی تاریکی کی جانب گامزن ہونے لگی اور جادہ اعتدال سے گرگئی تو اُس وقت عورت ہی ایک وہ لاجب چٹان ثابت ہوئی جس نے اپنے فرائض منصبی کا احساس کرتے ہوئے ہر قسم کی صبر آزما اور جانکاہ قربانیاں دے کر اُس کو ورطۂ ہلاکت سے بچایا ہے۔قیامِ دُنیا سے لے کر اب تک اپنے فرائض کو پورا کرنے کے لیے

عورت نے جو جو مصائب اُٹھائے ہیں وہ حقیقتاً اُسی کا حصہ ہیں۔ نظامِ دُنیا کو برقرار رکھنے میں ناقابلِ برداشت سختیاں سہنا اور تحفظِ نوعِ انسانی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھنا اسی کی شانِ استقلال ہے۔ ابتدائے آفرینش سے تاریخِ دُنیا کو بدلنے والی جتنی ہستیاں پیدا ہوئیں، وہ اسی چشمہءآبِ حیات کی لہریں تھیں اور مخلوقِ خدا کو ہدایت کا پیغام دینے اور ظلمت کدۂ جہاں کو منور بنانے والے جتنے مقدس وجود دُنیا میں تشریف لائے، سب کی تربیت کی ذمہ داری اسی کی آغوشِ محبت رہی۔ اسی سے مشیتِ ایزدی کی تکمیل ہوئی اور اس کے ذریعہ قدرتِ خداوندی نے دہر میں انسانیت کے تسلسل کا باب کھولا۔ اسی نے ہی شجاعانِ زمانہ میں قوتِ ایثار و غیرت کی روح پھونکی، اسی کی تسکین مایوسوں کو امید، اسی کی اعانت بے کسوں کا مداوا، اسی کی ذات بیماروں کی تیماردار، اور دِل شکستوں کی ہمت بندھانے والی ہوتی رہی، یہی دہقانوں کی جھونپڑیوں کی رونق اور سلطانوں کے محلوں کی روشنی بنی۔ غور سے دیکھا جائے تو عورت قدرت کی وہ بہترین ودیعت ہے جس سے دُنیا آباد رہے گی۔

پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ آج مسلمان عورت اپنی روایاتِ ماضیہ کو بھول کر کیوں فرزندانِ توحید کا ساتھ چھوڑ رہی ہے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ مغرب کی مسموم ہَوا مسلم کے پاکیزہ اخلاق پر اس طرح حملہ آور ہے کہ اگر یہ اس حال میں قوم کو چھوڑ کر کسی نامعلوم کشش سے اپنے مرکز سے اکھڑ جائے گی تو قوم کی کشتی کس ساحلِ مراد پر پہنچے گی۔ اور یہ بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اس کی بے اعتنائی نے قوم کا تمام نظامِ زندگی ناکارہ کر دیا ہے۔

اگر بُرا نہ مانا جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جب سے مسلمان عورت نے مغربی تقلید کے زیر اثر قوم کی نگہداشت سے منہ موڑا ہے، فرزندانِ اسلام ننگِ اسلاف ہوتے جا رہے ہیں، اس کا فرضِ ازدواجی میں تساہل (سُستی، غفلت) قوم کو انتہائی بدبختی کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے، اس کا انتظامِ خانہ داری سے بے رخی برتنا، امورِ خانہ داری کو چھوڑنا، اور مغربی کورانہ (اندھوں کی طرح) تقلید میں گھر کی چار دیواری سے باہر جھانکنا، ابنائے ملت کی خانہ ویرانی کا سبب بن گیا ہے۔ ادھر اس نے مغرب کی خود غرضانہ فیشن پرستی کے ماتحت نسوانی حجاب کو بالائے طاق رکھنے کی رغبت ظاہر کی، ادھر مسلم کی آنے والی نسلوں پر بے راہ روی کے دروازے کھل گئے۔ کون نہیں جانتا کہ بچے کے لیے صالحیت اور صلاحیت کی پہلی درس گاہ ماں کی گود ہوتی ہے، اگر ماں قانونِ قدرت کے نظام میں زندگی بسر کرنے والی ہوگی تو بچہ بھی ہر عیب و نقص سے محفوظ رہے گا اور اگر ماں ہی بد پرہیز بن جائے تو بچے کی ساری تربیتی راہیں مسدود ہو جائیں گی، جن سے اس کی ترقی کی تخلیق ہوتی ہے۔

آہ! جب اسلامی نسل کی مائیں ہی اس نسل کو بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکنے کے درپے ہوں تو اس نسل کا قیام وثبات کا اللہ ہی حافظ ہے۔

ہم ان خواتین اسلام سے جن کی گودوں میں موجودہ نسل کا مستقبل پرورش پا رہا ہے، پُرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ پھر ایک بار سنبھلنے کی کوشش کریں اور اپنے آپ کو سنبھالیں، مغربی تقلید پر رقص کرنے سے باز آئیں، اپنی عصمت وعفت، عظمت وحجاب وشرم وحیا، انہماک اور خانہ داری کو مذہب کی روشنی میں اپنائیں، اور آج مغرب جس ورطۂ ہلاکت میں پھنسا ہوا ہے، اپنی اولادوں کو نہ پھنسائیں، کیونکہ وہ طریق زندگی جس میں تربیتِ اولاد، اطاعتِ شوہر ووالدین سب اپنی ضد آپ نظر آ رہے ہوں، جس کے نظامِ زیست کی بے ڈھنگی رفتار تنگ آ کر اکثر ہستیاں خودکشی کو ذریعۂ نجات سمجھ رہی ہوں، جس کے لاتعداد بچے مہرِ مادری سے بے بہرہ ہو کر ننگِ انسانیت، قاتل، بداخلاق ڈاکو، اور آوارہ بن رہے ہوں، اُس کے اثرات سے آنے والی معصوم نسل کو محفوظ رکھیں اور اپنی ضرب المثل، مہرِ مادر، اپنی مشہور ومعروف شوہر پرستی وجان سپاری، اپنی مسلمہ عظمت وعفت کو پھر اختیار کریں۔ کیونکہ انہی جواہر سے قوم وصنفِ نازک کا وقار ہے اور انہی سے انسانیت کو دُنیا میں فروغ حاصل ہوتا ہے۔

﴿ہماری دیگر مطبوعات﴾

---اردو ترجمۂ قرآن بنام 'معارف القرآن'---

از: محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ

مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس ترجمۂ قرآن کا ابتدائی حصہ ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا۔۔۔ ''شہزادے آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہیں''۔

---محدث اعظم ہند کی نعتیہ شاعری اور حیات وخدمت---

Ph.D مقالہ (۵۵۲ صفحات) از: محمد فرحت علی صدیقی اشرفی رحمۃ اللہ علیہ

---سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی---

از: شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی مدظلہ العالی

(۱۰ جلدوں پر مبنی آسان اردو تفسیر قرآن)

---الاربعین الاشرفی---

از: شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی مدظلہ العالی

(مشکوٰۃ شریف، باب ایمان سے ۴۰ احادیث نبویہ ﷺ کی محققانہ تشریح)

---مسلم پرسنل لاء۔۔یا۔۔اسلامک لاء؟

از: شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی مدظلہ العالی

---قانون شریعت---

از: حضرت علامہ مفتی احمد شمس الدین رضوی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ

(روزمرہ کی ضروریات کے متعلق ۲۵۰۰ مسائل پر مبنی جدید ایڈیشن)

---جمال الٰہی---

از: شیخ الاسلام حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

---فیضان سہروردیہ مع آدابُ المریدین (اردو)---

از: محمد عبدالسلام سہروردی و شیخ الاسلام حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

---مسئلہ رؤیت ہلال اور احکام صیام کا تحقیقی جائزہ---

تالیف: شیخ عماد الدین بن احمد بن ابی حجلۃ حفظہ اللہ مترجم: علامہ محمد سجاد حسین شامی (فاضل دمشق، شام)

۔۔۔طِبُّ القرآن (علاج بالماء)۔۔۔

از: حضرت حکیم عبدالغفار ذوقی المصطفائی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

شیطان کی پہچان وجسمانی، اخلاقی اور روحانی بیماریوں کے سدباب کے متعلق ایک بہترین تحریر

۔۔علاوہ ازیں۔۔شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کی تحریر کردہ درج ذیل کتب

مقالات شیخ الاسلام۔۔۔تعلیم دین وتصدیق جبرائیل امین۔۔۔محبت رسول روح ایمان۔۔۔دین کامل

فریضہء دعوت وتبلیغ۔۔۔حدیث نیت کی شرح۔۔۔مسئلہ سلام وقیام اور محفل میلاد (محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ)

(اور ان تمام کتب کے انگریزی زبان میں تراجم بھی)

Would You Like To Know Something About Islam

Mohammad Masood Ahmed

Essentials Of Islam

The Least We Should Know

Mohammad Masood Ahmed

Educational Series Books

1...Allah,The Lord of All The Worlds 2...The Prophet of All Prophets

3...Ramadan 4...101 Islamic Terms 5...The Name Muhammadﷺ

6...The Burial Process of A Muslim 7...Our Daughters

۔۔۔غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کے لیے ایک بہترین کتاب۔۔۔

Would You Like To Know Something About Islam

کا فرنچ، اسپینش اور البانیہ کی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے جبکہ اردو، عربی، ہالینڈ کی ڈچ اور جرمن زبانوں میں ترجموں کا کام چل رہا ہے۔۔مزید برآں۔۔ترکی اور ہندی زبان میں بھی اس کتاب کے تراجم لانے کا انتظام ہو رہا ہے

ان شاءاللہ عنقریب انگریزی ترجمہء قرآن اور سیرت رسولﷺ پر انگریزی میں ایک عظیم الشان کتاب شائع کرنے کا اہتمام کیا جارہا ہے۔اس کے علاوہ قانون شریعت، رؤیت ہلال اور جمال الٰہی کا انگریزی ترجمہ بھی ہمارے پروگرام کا حصہ ہے

Muslim Personal Law or Islamic Law?

by: Shaikh-ul-Islam Syed Mohammad Madni Ashrafi Jilani

---مجموعۂ رسائل و مقالاتِ سہروردیہ---

مؤلفہ

شیخ الاسلام حضرت ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ

---صحیفۂ غوثیہ (اردو شرح) قصیدۂ غوثیہ---

شارح

شیخ الاسلام حضرت ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ

ان تمام کاموں کی توفیق مرحمت فرمانے کے لیے ہم اللہ رب العزت کے بے انتہاء شکرگزار ہیں
آپ ہمیں اپنی دُعاؤں میں یاد رکھیئے۔ ۲۲/جنوری ۲۰۱۹ء +1-914-319-3839

ناشر: ضیاء القران پبلیکیشنز، لاہور، 042-37221953 کراچی 021-32212011